مسئلہ حیات النبی ﷺ
www.KitaboSunnat.com
ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں
تالیف
مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور 54000

مسئلہ حیات النبی ﷺ

ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں

تالیف

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

المکتبۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ لاہور ۵۴۰۰۰

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ

مصنف ---------- مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

باہتمام ---------- احمد شاکر

مطبع ---------- موٹروے پرنٹرز

طبع اول ---------- اپریل ۲۰۰۴ء

کمپوزنگ ---------- رشید احمد صدیقی

تعداد ---------- ۱۰۰۰

ناشر ---------- المكتبة السلفية

قیمت ---------- /- روپے

واحد تقسیم کار

دار الکتب السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور

فون: 042-7237184-7230271

فہرست

مسئلہ حیات النبی ﷺ

ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

پچھلے چند سالوں سے دیوبندی حلقوں میں مسئلہ حیات النبی ﷺ بلاوجہ باعث نزاع و شقاق بنا ہوا ہے۔ ایک فریق اس پر بضد ہے کہ آنحضرت ﷺ اب بھی بقید حیات دنیویہ ہیں۔ دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے۔ کہ ایسا سمجھنا نصوص صریحہ قرآن و حدیث اور اہل سنت کے مسلمات کے خلاف ہے۔

اس افسوسناک خلفشار کی ابتدا ایک تقریر سے ہوئی جو ایک جید دیوبندی عالم۔ صاحب علم وعرفان مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دام مجدہ نے حنفیہ کرام ملتان کے ایک جلسہ میں فرمائی جس پر ان کے رفقائے مذہب نے نہ صرف کہ اس وقت ہی ہنگامہ بپا کر دیا بلکہ بعد میں بھی فتویٰ بازی اور مضامین سازی کی مہم چلا دی۔ حتیٰ کہ خود مدرسہ دیوبند اور اس کے رسالہ ''دارالعلوم'' نے اس میں کافی دلچسپی لی۔

جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا یہ مضامین عموماً ''دلائل'' کی بجائے جذبات پر مبنی تھے۔ اس لیے اونچے نام کی وجہ سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ ان ''تازہ ارشادات دیوبند کا علمی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ عاجز نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدظلہ کی خدمت میں یہ درخواست گزرانی۔ حضرت نے بے حد مصروفیات کے باوجود چند دنوں میں ایک بیش قیمت علمی وتحقیقی مقالہ تیار فرما دیا۔ جسے ہم نے اپنے ماہنامہ ''رحیق''۔ جو ان دنوں جاری تھا۔۔۔ کی تین اشاعتوں۔۔۔ مارچ تا مئی ۱۹۵۸ء۔۔۔ میں شائع کر دیا تھا۔

اس مقالہ کا اہل علم وفضل نے گرم جوشی سے استقبال کیا مگر خواصان دیوبند میں اس سے خاص ہلچل پیدا ہوئی جو قدرتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب نے مدیر ''تجلی'' دیوبند کو جوش بھرا خط لکھا جو رسالہ ''تجلی'' بابت جولائی واگست ۱۹۵۸ء میں چھپا جس کا جواب باصواب دیتے ہوئے مدیر ''تجلی'' کو کئی حقائق کا انکشاف کرنا پڑا۔

اس کے بعد ایک تحقیق پسند دوست کے دوسری نوعیت کے چند شبہات کے حل میں مولانا

موصوف نے پھر ایک تفصیلی مضمون رقم فرمایا جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۳۰ر جنوری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

متوسلین دیوبند اس باہمی نزاع پر کافی طبع آزمائی فرما چکے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ابھی جھگڑا چل رہا ہے۔ چنانچہ چند ہفتے ہوتے ہیں کہ اعیان واعوان فریقین اس مسئلہ پر مناظرہ کا شوق فرمانے کے لیے لاہور میں جمع ہوئے اور کسی ملتج کارروائی اور فیصلہ پر پہنچے بغیر منتشر ہو گئے۔

علم دوست احباب کی مدت سے خواہش تھی کہ ''رحیق'' کے محققانہ اور جامع مقالہ کو الگ سے شائع ہونا چاہیے۔ بحمد للہ مولوی محمد حنیف صاحب قصوری خطیب جامع اہل حدیث قصور اور کارپردازان جمعیۃ اہل حدیث قصور کی ہمت سے ان کی یہ آرزو بر آئی اور اب نہ صرف وہی بلکہ اس سے قوی تعلق رکھنے والے ''الاعتصام'' اور ''تجلی'' کے مذکورہ مضامین کو بھی۔۔۔ دونوں کے بہت بہت شکریے کے ساتھ۔۔۔ **الادلة القوية على ان حياة النبى ﷺ فى قبره ليست بدنيوية** کے نام سے یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔

جملہ اہل توحید کو احباب قصور کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کی تحریک ومساعی حسنہ سے یہ نافع ترین مقالات مستقل صورت میں اشاعت پذیر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک ارادوں میں مزید برکت عنایت فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وسلم۔

صفر ۱۳۸۰ھ
۱۹۶۰ء

محمد عطاء اللہ حنیف
مدیر المکتبۃ السلفیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَبِيْرًا وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ امابعد

کچھ عرصہ ہوا ایک موحد عالم نے ملتان میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی جو عوام اور خواص میں پسند کی گئی۔ مگر ان کے حلقے کے بعض حضرات نے عقیدۂ توحید میں استواری کے باوجود اس تقریر کے بعض حصوں پر اعتراض' اور اسے ناپسند کیا۔ اور کوشش کی گئی کہ تقریر کے اثرات کو کم یا زائل کیا جائے۔

مقرر نے توحید کے موضوع پر بیان فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے انتقال کا ذکر فرمایا اور جو لوگ آپ ﷺ کو اپنی طرح زندہ سمجھتے ہیں ان کے خیالات پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ''دنیوی زندگی'' ہو تو صحابہ ؓ نے آپ کو زندہ سمجھتے ہوئے کیسے دفن کیا۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ صحابہ ؓ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرح زندہ سمجھیں اور زمین میں دفن کیے رکھیں۔ (یہ مفہوم ہے ممکن ہے کہ الفاظ میں فرق ہو)

چونکہ مخالفت با اثر اور اہلِ علم حضرات کی طرف سے تھی۔ اور یہ حضرات بھی دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے اس کا اثر پاکستان میں دوسرے مقامات پر بھی ہوا اور کوشش ہوئی کہ اس قسم کے صاف گو مبلغین کا مقاطعہ کیا جائے۔ بلکہ اس کا اثر ہندوستان تک بھی پہنچا۔ چنانچہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ایک مضمون مولانا زاہد الحسینی کے قلم سے اور ایک تعارفی نوٹ مولانا سید محمد انظر صاحب کے قلم سے شائع ہوا۔ مگر دونوں مضامین میں کوئی جدت نہیں۔ حیات انبیاء کے متعلق وہی بریلوی نقطۂ نظر ہے جسے پھیلا دیا گیا ہے۔ دلائل کا انداز بھی جو عموماً بریلوی حضرات کی تحریرات میں ہوتا ہے دہرا دیا گیا ہے۔ اس قدرتی فرق کے ساتھ کہ نفس مسئلہ کی تفصیل ہے۔ ذاتیات میں الجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اہل علم سے یہی امید ہونی چاہیے۔

دلائل میں کوئی خوبی ہو یا نہ ہو لیکن مضمون کے ڈانڈے پاکستان سے ملتے ہیں۔ پھر اس کی

اشاعت دیوبندی مکتبِ فکر کی مرکزی درس گاہ کے مجلّہ میں ہوئی ہے۔ مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے دانش مندوں نے مقامی مصالح کی بنا پر مرکزی اکابر کو استعمال فرمایا ہے اور وہ حضرات بلاتحقیق وتبیین استعمال ہو گئے ہیں۔ اس اختلاف سے بریلوی مکتبِ فکر جو فائدہ اٹھا رہا ہے اس کی اصلاح کے لیے مسئلہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف' مولانا محمد انظر اور مولانا زاہد الحسینی سے ذاتی طور پر نا آشنا ہے اس لیے اس جسارت پر معافی چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بحث، مسئلہ کی حد سے تجاوز نہیں کرے گی۔ **وما توفيقي الا بالله۔**

پاکستان کی تشکیل کے بعد بریلویت نے جس طرح انگڑائیاں لینا شروع کی ہیں۔ اور قادیانیت اور رفض کو جس طرح فروغ ہو رہا ہے۔ اس کے اثرات اور اہلِ توحید مبلغین کی مشکلات میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے اور ان میں دن بدن ترقی کی جو رفتار ہے اسے شاید ہندوستان کے اکابر نہ سمجھ سکیں۔

پاکستان کے دیوبندی اکابرین جن مصالح اور مقتضیاتِ وقت میں روز بروز گرفتار ہو رہے ہیں اور "پیری مریدی" کے جراثیم جس عجلت سے یہاں اثر انداز ہو رہے ہیں اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس پورے ماحول سے آشنا ہیں۔ احسان ہوتا اگر دور کے حضرات اس میں مداخلت نہ فرماتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ حکومتِ پاکستان کے مزاج اور یہاں کے اہل ہوا کے مزاج میں جس قدر توافق کارفرما ہے۔ اس کا علاج مصلحت اندیشوں سے نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مدارس کی مسندیں اس عوامی فتنہ کا مداوا ہو سکیں گی۔ یہ طویل سفر طے ہونے تک ممکن ہے مریض زندگی کی آخری گھڑیاں شمار کرنے لگے۔ (ع)

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

اس مسئلہ کو جو صورت دی جا رہی ہے چونکہ اس سے بہت سی شرکیہ بدعات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا۔ اگر اصلاحی تحریک پر اجمالی نظر ڈال لی جائے جو ان بدعات کا قلع قمع کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ اس سے مسئلہ کا پس منظر سمجھنے میں مدد مل سکے گی۔ گو اس طرح قدرے طوالت ضرور ہو گئی ہے۔

اصلاحی تحریکات کا مدّ و جزر

گیارہویں صدی ہجری کے آغاز سے تیرہویں صدی تک طاغوتی طاقتیں گو کافی مضبوط تھیں مگر خدا تعالیٰ کی رحمت کی تابانیاں بھی نصف النہار پر رہیں۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے مصلحین کی ایک باوقار جماعت کو حوصلہ دیا اور کام کا موقعہ مہیا فرمایا۔ مصلحین کے پر شکوہ اور

فعال گروہ اطراف عالم میں نمودار ہوئے۔ فتح وشکست کے اثرات اور نتائج گو مختلف ہیں لیکن مقام شکر ہے کہ ان حضرات کے صبر وعزیمت نے دنیا میں گہرے نقوش اور نہ مٹنے والے آثار آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے **وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ**. نجد میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ اور سعودی خاندان، ایران، افغانستان، مصر اور شام میں جمال الدین افغانی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ۔

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ، ان کا خاندان اور تلامذہ۔ ان تمام مصلحین نے اپنے ماحول کے مطابق اپنے حلقوں میں کام کیا اور اپنی مساعی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ علمی اور سیاسی طور پر کامیاب ہوئے۔ جمال الدین افغانی رحمہ اللہ نے ایسے قابل اور مخلص دماغوں کو تربیت دی۔ جن کی وجہ سے مصر وشام علم واصلاح کا گہوارہ قرار پائے اور ان کے فیوض نے ذہنوں کی کایا پلٹ دی۔ ان حضرات کی کوششوں نے یورپ کے مادی منصوبوں کے سامنے ایسی دیواریں کھڑی کر دیں جن کو عبور کرنا ابلیسی طاقتوں کے لیے آسان نہیں۔ مصر وشام کی آزادی اور دینی تحریکات میں ان مساعی کو بہت بڑا دخل ہے جن کا آغاز مجدد وقت شیخ جمال الدین افغانی رحمہ اللہ اور سید عبدہ رحمہ اللہ نے فرمایا اور اس کی تکمیل میں سید رشید رضا، علامہ مراغی، سعد زاغلول اور امیر شکیب ارسلان جیسے بیدار مغز لوگوں نے شب وروز محنت فرمائی اور کافی حد تک ان کو کامیابی ہوئی۔

ہندوستان کی تحریکِ تجدید

ہندوستان کی تحریک احیاء تجدید جس کی ابتدا حضرت سید احمد سرہندی نے فرمائی اور اس کی تکمیل شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے فرمائی۔ ابتدا میں علمی اور اصلاحی تھی۔ علمائے سوء اور انگریز کے منحوس وفاق نے اسے مجبوراً سیاست میں دھکیل دیا۔ سکھوں کی حماقت نے اتقیا کی اس جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ کی آگ میں کود یں اور اپنی قیمتی زندگیاں حق کی راہ میں قربان کریں۔ پھر گمراہ کن فتوؤں کی سیاہی نے ملت کے چہرے کو اس قدر بدنما کر دیا تھا کہ اسے دھونے کے لیے شہادت کے خون کے علاوہ پانی کے تمام ذخیرے بیکار ہو چکے تھے۔ وہابیت کی تہمتِ مستعار نے ذہن ماؤف کر دیے تھے۔ الحاد کا گرد ان پر اس قدر جم چکا تھا کہ اسے صاف کرنے کے لیے صرف شہدا کا خون ہی کار آمد ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مئی ۱۸۳۱ء کی صبح کو یہ مقدس جماعت انتہائی کوشش اور ممکن تیاری کے ساتھ بالاکوٹ

کے میدان میں اتری اور دوپہر سے پہلے صداقت کے نہ مٹنے والے نشان دنیا کی پیشانی پر ثبت کرنے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. [البقرہ]

تحریک کا مزاج

پیشِ نظر مسئلہ کے متعلق بحث و نظر سے پہلے ضروری ہے کہ اس تحریک کا مزاج سمجھ لیا جائے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ابنائے کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً حنفی فقہ کے پابند تھے لیکن ذہنی طور پر تین مقاصد کی تکمیل ان کا مطمحِ نظر تھا۔

1. تصوف کے غلو آمیز مزاج میں اعتدال۔
2. فقہی اور اعتقادی جمود کی اصلاح اور اشعریت اور ماتریدیت کے ساتھ فقہ العراق نے تحقیق و استنباط کی راہ میں جو مشکلات پیدا کی تھیں انہیں دور کیا جائے اور نظر و فکر کی روانی میں جمود و سکون سے جو رکاوٹ نمایاں ہو چکی تھی اسے یکسر اٹھا دیا جائے۔ قرآن و سنت اور آئمۂ سلف کے معیار پر نظر و فکر کو آزادی بخشی جائے۔
3. بے عملی اور بد عملی نے چند بدعات کو جو سنت کا نعم البدل تصور کر لیا تھا اور بت پرست قوموں کے پڑوس اور مغل بادشاہوں کی عیاشیوں نے ان بدعات کو نجات کا آخری سہارا قرار دے لیا تھا۔ اس ساری صورتِ حال کو بدل کر اس کی جگہ سادے اسلام کو دے دی جائے۔

تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِلَّةٍ بَيْضَاءَ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا. میں آپ کو اس کی تفصیل میں نہیں لے جاؤں گا نہ ہی اپنی تائید میں ان کی تصانیف سے اقتباسات پیش کر کے آپ کا وقت ضائع کروں گا۔ صرف چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مجددؒ نے مکتوبات میں بدعات کے خلاف کس قدر کڑی تنقید فرمائی ہے۔ بدعت کی حفاظت کے لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم اہلِ بدعت کو قلعہ کا کام دے رہی تھی اور عز بن عبدالسلام نے جب سے اس تقسیم کی نشاندہی کی تھی اس کے بعد سے ہندوستان میں حضرت مجددؒ ہی تھے جنہوں نے یہ قلعہ پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

سجدۂ تعظیم کے خلاف گوالیار کے قلعہ میں تیس سال قید گوارا فرمائی۔ لیکن سجدۂ تعظیم کی گندگی سے اپنی مقدس پیشانی کو آلودہ نہیں فرمایا۔ فقہی مسائل میں حضرت کے کچھ اختیارات تھے۔ دوسرے علمائے کی مخالفت کے باوجود حضرت مجدد اپنی الگ راہ پر قائم رہے۔ حنفی مسلک کے ساتھ وابستگی

کے باوجود متاخرین اور متقدمین کی راہ پر رجماً بالغیب چلنے سے حضرت مجدد رحمہ اللہ نے انکار فرمایا:

اس کی زندہ شہادت حضرت کے مایۂ ناز شاگرد مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ موجود ہیں' جنہوں نے فاتحہ خلف الامام' رفع الیدین عندالرکوع ''وضع الیدین علی الصدر'' ایسے مشہور مسائل میں فقہائے محدثین کی راہ اختیار فرمائی اور فقہ العراق کے ساتھ کلی تعاون سے انکار فرما دیا۔ ❶

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرمایا۔ ان کی تصانیف ارشاد الطالبین اور تفسیر مظہری شاہد ہیں کہ حنفی ہونے کے باوجود بدعات اور عبادِ قبور کے خلاف ان کا لہجہ کس قدر تلخ ہے اور بدعی رسوم سے انہیں کس قدر نفرت!

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ' البلاغ المبین' مصفی اور مسوی' انصاف' عقد الجید اور تحفۃ الموحدین میں فقہی جمود' بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ایسی حکیمانہ روش اختیار فرمائی جس سے حقیقت بہت حد تک واضح ہو گئی۔ اصولِ فقہ کے بعض مسلمات پر ایسی میٹھی تنقید فرمائی جس سے ذہین طبائع کو جرأت پیدا ہو۔

ازالۃ الخفا میں بدعتِ تشیع کو اس قدر عریاں فرمایا کہ ذہین اور دانش مند طبائع کو محبتِ اہل بیت کے عنوان سے دھوکا دینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

ان مختصر ارشادات سے اس تحریک اصلاح اور اقامتِ دین کا مزاج آپ کو سمجھنا مشکل نہیں۔

دیوبندی اور اہل حدیث

یہ دونوں مکتب' فکری طور پر اسی تحریک کے ترجمان ہیں یا کم از کم مدعی ہیں کہ ہم اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل گرامی قدر ارشاد سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا مزاج کیا ہے۔

''وصیتِ اول ایں فقیر چنگ زون است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن اگر طاقتِ خواندن نہ دارد۔ ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن۔ در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردہ اند اعراض نمودن وتبشکیکات معقولیان خام التفات

❶ (ابجد العلوم ص ۹۰۰ جلد ۳، محبوب العارفین ص ۷۶)

نہ کردن۔ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میاں۔ فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔ آنچہ موافق باشد در چیز قبول آوردن ولا کالائے بدریش خاوند دادن۔ امت، راہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ، تتبع سنت را ترک کردہ اند، نہ شنیدن بدیشاں التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوری ایناں۔" اھ [تفہیمات جلد۲ص ۲۴۰]

ترجمہ: "فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل میں کتاب و سنت کی پابندی کی جائے اور ان دونوں سے شغل رکھے اور پڑھے اور اگر نہ پڑھ سکے تو ایک ورق کا ترجمہ سنے۔ عقائد میں متقدمین اہل سنت کی پیروی کرے۔ سلف نے جن چیزوں کی تفتیش نہیں کی ان کی تفتیش نہ کرے اور خادم کار فلاسفر کی پروانہ کرے۔ فروع میں آئمۂ حدیث کی پیروی کرے جن کی فقہ اور حدیث دونوں پر نظر ہو۔ فقہ کے فروعی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرتا رہے۔ جو موافق ہوں ان کو قبول کرے باقی کو رد کردے۔ امت کو اپنے اجتہادی مسائل کتاب و سنت پر پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ متقشفہ فقہا کی بات قطعاً نہ سنے۔ جن لوگوں نے اہل علم کی تقلید کر کے کتاب و سنت کو ترک کر دیا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے ان سے دور رہ کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔"

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"نسبت ہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است و رسوم ایشاں بہ ہیچ نمے ارزد ایں سخن بر بسیارے گراں خواہد بود۔ اما مرا کارے فرمودہ اند و برحسب آں باید گفت و بر گفتہ زید و عمر و تعرض نمے باید کرد۔" [ص ۲۴۲ جلد۲ تفہیمات]

"صوفیوں سے نسبت غنیمت ہے لیکن ان کی رسوم بالکل بے کار ہیں۔ یہ بات اکثر لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ مگر مجھے جو فرمایا گیا ہے وہی کہنا ہے۔ زید عمر کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔" اھ۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

((نحن لا ترضی بھؤلآء الذین یبایعون الناس لیشتروا بہ ثمنًا قلیلًا او لیشربوا

اغراض الدنیا بتعلم علم اذلا تحصل الدنیا الا بالتشبیه باهل الهدایة ولا بالذین یدعون الی انفسهم ویامرون بحب انفسهم هؤلآء قطاع الطریق دجالون کذابون مفتونون فتانون ایاکم وایاهم ولا تتبعوا الا من دعا الی کتاب الله وسنة رسوله" الخ۔))[1]

''مجھے قطعاً یہ لوگ پسند نہیں جو دنیا کمانے کے لیے بیعت کرتے ہیں اور نہ ہی یہ لوگ مجھے پسند ہیں جو دنیوی اغراض کے لیے علم حاصل کریں۔ کیونکہ دنیا حاصل کرنے کے لیے نیکوں کے ساتھ تشبیہ ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ ہی وہ لوگ مجھے پسند ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں۔ یہ لوگ ڈاکو اور دجال ہیں۔ خود فتنے میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو اس میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں' صرف ان لوگوں کا اتباع کرنا چاہیے جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیں۔''

''ظاہر ہے کہ شاہ صاحب ریا کارانہ تصوف اور دنیا کمانے کے لیے بیعت کے سلسلوں کو قطعاً پسند نہیں فرماتے بلکہ ایسے لوگوں کو دجال، ڈاکو اور فتنہ انگیز سمجھتے ہیں۔ آج کے خانقاہی نظام اور پیر پرستی کے اداروں کی شاہ صاحب کی نظر میں کیا آبرو ہوسکتی ہے۔ وہ سرے سے پیر پرستی کی دعوت ہی کو ناپسند فرماتے ہیں۔

مروجہ فقہی مسالک اور ان پر جمود کے متعلق شاہ صاحب کی مزید وضاحت۔

((رب انسان منکم یبلغه حدیث من احادیث نبیکم فلا یعمل به ویقول انما عملی علی مذهب فلان لا علی الحدیث ثم احتال بان فهم الحدیث والقضاء به من شان الکمل المهرة وان ائمة لم یکونوا ممن یخفی علیهم هذا الحدیث فما ترکوه الا لوجه ظهر لهم فی الدین من نسخ اومرجوحیة۔ الخ۔))[2]

''بہت سے لوگوں کو جب آنحضرت ﷺ کی حدیث معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص کے مذہب پر میرا عمل ہے۔ حدیث سمجھنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ امام اس حدیث سے بے خبر نہیں تھے۔ یہ حدیث منسوخ ہوگی یا مرجوع۔ یہ قطعاً دیانت نہیں۔ اگر پیغمبر پر ایمان ہے تو اس کا اتباع کرنا چاہیے۔ مذہب اس کے مخالف ہو یا موافق' خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ کتاب وسنت کے ساتھ تعلق رکھا جائے۔''

[1] (تفہیمات جلد ۱ص ۲۱۴) [2] (تفہیمات جلد ۱ص ۲۱۴)

فقہی فروع میں مسلکی جمود شاہ صاحب کو سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح وہ ظاہریتِ محض (امام داؤد ظاہری کا مسلک) کو بھی ناپسند فرماتے اور لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کی صحت ائمہ حدیث کی شہادت سے ثابت ہو اور اہل علم نے اس پر عمل بھی کیا ہو اور اس پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ فلاں امام نے اس پر عمل نہیں کیا یہ ضلال بعید ہے۔ [ص ۲۰۹ جلد ا ص ۲۱۱ جلد ا]

اس قسم کی تصریحات شاہ صاحب کی باقی تصنیفات میں بکثرت موجود ہیں۔ میں نے یہ طویل سمع خراشی اس لیے کی ہے کہ اس پاکیزہ تحریک کا مزاج معلوم ہو جائے تا کہ اس کے دو صدی کے اثرات کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

ان مقاصد کے خلاف ان بزرگوں کی تصانیف میں اگر کوئی حوالہ ملے تو اس کا ایسا مطلب نہ لیا جائے جو مقاصد تحریک کے خلاف ہو بلکہ وقتی مصالح پر محمول کیا جائے کیونکہ ان بزرگوں نے جن سنگلاخ حالات میں کام کیا ہے ان کے مصالح اور ان کے مقتضیات بدلتے رہے ہیں۔ جن مشکلات میں ان حضرات کو کام کرنا پڑا ان مشکلات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ.

شاہ صاحب کا مقام

اس تحریک میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسا برزخ ہیں کہ حضرت مجددؒ اور ان کے ارشد تلامذہ کی علمی اور عملی مساعی سے شاہ صاحب نے پورا پورا اثر لیا اور شاہ صاحب نے اپنے ابناؤ احفاد اور تلامذہ کو ان برکات سے علمی اور عملی استفادہ کا موقع دیا ہے۔ اس لیے میں نے شاہ صاحب کے ارشاد کو کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا مناسب سمجھا۔

مسئلۂ حیاتِ نبوی

نیز متنازعہ فیہ مسئلہ میں مجلّہ ''دارالعلوم'' کے مضمون نگار حضرات نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں حیاتِ دنیوی کی صراحت شیخ عبدالحق صاحب کے بعد صرف اکابر دیوبند ہی نے فرمائی ہے۔ ہاں شاہ عبدالحق رحمہ اللہ سے پہلے حافظ بیہقی رحمہ اللہ اور سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل رسائل لکھے ہیں۔ مگر افسوس موضوع صاف نہیں فرما سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے اس قسم کا ذخیرہ جمع فرمایا ہے جس کے متعلق ان کے ذہن بھی صاف نہیں کہ وہ حیات ثابت فرمانا چاہتے ہیں لیکن اس کی نوع متعین نہیں فرماتے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کے رسالہ میں کسی کے سوا حیاتِ دنیوی کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا رجحان بعض مواقع میں حیاتِ برزخی کی طرف معلوم ہوتا

ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ انتہائی کوشش کے باوجود آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ۔[سورۃ زمر] اور حدیث فَیَرُدُّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِی اور حدیث الاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ میں تعارض نہیں اٹھا سکے۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ نے تو حاطبِ لیل کی طرح ایک غیر موثق ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ جس سے حضرات قبوریین کو مدد ملے گی اور سادہ دل اہل توحید کے دل شبہات سے لبریز ہوں گے۔ قریباً یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔ فحول اہل حدیث اور ماہرین رجال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لیے یہ موردِ مزلۂ اقدام ہے۔

صورتِ تصفیہ

اس لیے تصفیہ کی صحیح صورت یہی ہو سکتی ہے کہ تحریک کے مزاج کی روشنی میں شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے اور اس خاندان کے عقیدت مند مسئلہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اگر اکابر ہی کی اقتدا اور تقلید سے اس مسئلہ کو سمجھنا ہے' کتاب وسنت اور بحث واستدلال سے صرفِ نظر ہی کا فیصلہ فرما لیا گیا ہے تو پھر اکابر کے اکابر اور بانیان تحریک کے نظریات سے کیوں استفادہ نہ کیا جائے؟ مولانا حسین احمد مرحوم اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم کی رائے فیصلہ کن ہے تو بانیانِ تحریک اور تحریک کے مدارج کو حکم کیوں نہ مان لیا جائے؟

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی شہادت اور عبقریت نے پوری تحریک کو نظریات اور تصورات کی دنیا سے عمل کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اشارات اور تعریضات کو تصریحات سے بدلا۔ جو کچھ کتابوں کے اوراق کی زینت تھا اسے بالاکوٹ کے میدان میں علی راس الشمام رکھ دیا گیا۔ سکھوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا کہ حق وصداقت' ایثار وقربانی کے جوہر' مناظرات اور مکالمات ہی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ ان کے ظہور کا بہت بڑا ذریعہ تلوار اور میدان جنگ ہی ہے۔ قلم کی دو زبانوں اور دوات کی روشنائی سے جو کچھ کیا جا سکتا تھا اس سے کہیں زیادہ قوتِ گویائی خون کے چھینٹوں میں ہے۔ اس لیے گلرنگ قطرات، ہزاروں زبانوں پر تالے ڈال سکتے ہیں اور وہ برسوں گنگ ہو سکتی ہیں اور سینکڑوں دلوں سے تالے اتار کر انہیں فہم و فراست عطا کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ کام اصحاب التدریس اور ارباب التصانیف کا نہیں۔ یہ وہ لوگ کریں گے جو کاغذ اور دوات، قلم اور روشنائی کے علاوہ سیف وسنان سے نہ صرف واقف ہوں

بلکہ انہیں آلاتِ حرب سے گہرا تعارف ہو! ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت شہید رحمہ اللہ نے تحریک کے مقاصد کی اشاعت کے لیے شہادت سے پہلے تقویۃ الایمان لکھی اور ساتھیوں کے مشورہ کے بعد اسے شائع فرمایا۔ تذکیر الاخوان کا مسودہ لکھا۔ معترضین کے جوابات لکھے اور یہ سب کچھ تحریک کی تائید اور اس کے مقاصد کی روشنی میں تھا۔ آج اگر اکابر دیوبند اور علمائے اہل حدیث کوئی ایسی چیزیں فرمائیں جو تحریک کے مزاج سے متصادم ہوں تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ستیزہ کار رہا ہے ابد سے نا امروز

تیسرا ہنگامہ

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک نے احیائے سنت اور تجدید اثر دین کی راہ میں جہاں عظیم الشان قربانیاں پیش کیں وہاں ایک تحریک اس کے بالمقابل شروع ہوئی جس نے بدعات کے جواز میں دلائل کی تلاش کی اور عوام کی بدعملی کے لیے وجۂ جواز پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بدعت ہر زمانہ میں رہی' حالات کے ماتحت اس کی مختلف صورتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ بدعت کا وجود کبھی منظم طور پر موجود رہا۔ مغل حکومت میں بدعت عام تھی لیکن بظاہر غیر منظم۔ اسے ترجمانی کے لیے علما کی باقاعدہ خدمات میسر نہ آ سکیں۔

مغل زوال کے بعد سکھ' مرہٹے' انگریز' اہل توحید سب نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ موحدین کے لشکر کی سیاسی شکست نے اہل بدعت پر سکتہ طاری کر دیا۔ لیکن باطل نے اقتدار کی زمام سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے معرکۂ حریت میں اسے محسوس ہوا کہ علما کی خدمات کے بغیر اقتدار پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مطمئن کرنا مشکل ہے۔ جوئندہ یابندہ اسے کچھ ''اہل علم'' میسر آ گئے جن سے انگریز کا کام چل نکلا۔ تحریکِ توحید کی سرپرستی رائے بریلی کے ایک فقیر نے فرمائی تھی۔ شرک و بدعت کی سرپرستی بانس بریلی کے ایک خاندان کے حصہ میں آئی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ خاندان میں پڑھنے پڑھانے کا چرچا موجود تھا۔ سن رشد کو پہنچے۔ بقول موصوف ان کے والد مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہونہار فرزند کو ۱۲۸۶ھ میں مسندِ افتاء پر بٹھا دیا۔ خاں صاحب نے مسند سنبھالتے ہی بدعت کی تائید اور شرک کی حمایت شروع فرمائی۔

شرک کو مدلل اور اہل بدعت کو منظم کرنے کے لیے موصوف نے اپنے اوقاتِ عزیز وقف

فرمادیے۔کوشش فرمائی کہ عوام میں جس قدر بدعملی اور بدعی رسوم موجود ہیں ان سب کو سندِ جواز عطا فرمائی جائے۔عوام کو معاصی پر جراُت دلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر ہر بدعت جائز قرار پاجائے۔خان صاحب کی چھوٹی موٹی تصانیف کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد فی سبیل اللہ فساد کے سوا کچھ نہیں۔ان تصانیف میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے مسلمانوں کی دینی، معاشی یا سیاسی زندگی میں تبدیلی نمایاں ہوسکے۔خان صاحب نے مدۃ العمر کسی سیاسی یا علمی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔البتہ ہزاروں مسلمان جناب کے علم اور قلم کے زور سے کافر قرار پائے اوران ساری کوششوں میں انگریز کا دستِ شفقت خان صاحب کو سہارا دیتا رہا۔

مخالفِ توحید تحریک کی ناکامی

حقیقت یہ ہے کہ رضا خانی تحریک کا براہ راست مقابلہ کتاب وسنت سے اور اس کی جنگ مجاہدین اسلام اور شہدائے حق سے تھی۔ان کی تکفیر کا نشانہ شہدائے بالاکوٹ تھے۔ان لوگوں کا ''خوش گوار'' مشغلہ صرف تقویۃ الایمان' نصیحۃ المسلمین' راہ سنت اور کتاب التوحید ایسی مدلل کتابوں بلکہ قرآن عزیز کے بھی بعض بنیادی حصص کی تردید کرنا ہی رہ گیا تھا.....اور ان کے مدمقابل جو لوگ تھے، وہ تھے اکابر اولیاء اللہ' وہ جنہوں نے کتاب وسنت کی اشاعت وتبلیغ اور مسلمانوں میں احیائے جہاد میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں! ظاہر ہے ان مقدس ہستیوں کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں مل سکتی تھی۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ مَنْ عَادٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ [مشکوۃ] یعنی ''جو میرے اولیا سے دشمنی رکھے، میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔'' چنانچہ یہ تحریک حق تعالیٰ کے غضب کی گرفت میں آ گئی۔جس کے نتیجے میں ان میں چند ایسی خصوصیات پیدا ہوگئیں جن کے ہوتے ہوئے ان حضرات کی کامیابی ناممکن ہے۔ وہ خصوصیات مختصراً ذیل میں معروض ہیں۔

❶ اہل حق اور اتقیا سے بغض۔ ❷ زبان درازی و بدزبانی۔ ❸ مسلمانوں کی تکفیر۔ ❹ بے ضرورت اور بے مقصد مسائل پر زور۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کو اب بھی دنیوی زندگی حاصل ہے وغیرہ! ❺ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر وموجود ہیں! ❻ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات اور خصائص اپنے بندوں کو دے دیے ہیں۔۔۔یعنی تمام اولیاء۔۔۔معاذ اللہ۔۔۔ عطائی و وہبی خدا ہیں۔ ❼ قریباً تمام سیاسی لیڈر اور تمام سیاسی جماعتیں کافر ومرتد ہیں۔

[ملاحظہ ہو فتاوٰی رضویہ ملفوظات منجانب اہل البدعہ وغیرہ ودیگر ''ارشاداتِ'' بریلویہ]

واقعات شاہد ہیں کہ یہ لوگ بالکل باطنی فرقہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہیں اور توحید و سنت کی ترقی سے کچھ بوکھلا سے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بالکل یاس کی حالت طاری ہوگئی ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید قدس اللہ روحہ جیسی ہستی کی بے ادبی کرنے کی سزا ان کو یہ ملی ہے کہ ان کے بزرگوں سے علم سلب کرلیا گیا ہے۔ سمجھ دار اور علما ان حضرات میں روز بروز کم ہو رہے ہیں۔ جہلا کے ساتھ ربط' عوام کی شورش و شرارت پسندی کے سوا دنیا میں ان کا کوئی سہارا نہیں! اہل توحید کی مساجد پر قبضے' شرفا پر قاتلانہ حملے' خانقاہوں کے مجاوروں کی سفارشوں اور رشوتوں سے مقدمات جیتنا ان حضرات کا پاکستان میں عمومی مشغلہ ہے۔ مگر مشترکہ امور میں عوام سے اشتراک' دوسری جماعتوں کے سٹیجوں سے اور معقولیت سے گفتگو کرنے، افہام و تفہیم اور نزاعی امور میں اصلاح سے عموماً اس جماعت کے اکابر پرہیز کرتے ہیں۔ احساس کہتری اور لامساس کے مرض میں عموماً یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصلاح ذات البین کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ مختلف الخیال جماعتیں مل کر اپنے تنازعات کا منصفانہ فیصلہ کرسکیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باطنی فرقہ کی طرح یہ حضرات فسادات کو سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔

محلِ نزاع

اس موضوع پر امام بیہقی رحمہ اللہ سے آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں محلِ نزاع کا تعین نہیں فرمایا گیا۔ امام بیہقی نے ائمۂ حدیث کی طرح اس موضوع کے متعلق مواد جمع فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی نے کتاب الروح اور حیات الانبیا سے استفادہ بھی فرمایا اور بعض احادیث کی توجیہات بھی کی ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے کتاب الروح سے تو استفادہ فرمایا ہے لیکن معلوم نہیں قصیدۂ نونیہ کی طرف ان کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قصیدۂ نونیہ میں حافظ ابن القیمؒ نے اس موضوع کو بہت زیادہ منقح فرمایا ہے۔

اہلِ حدیث اور فقہا

اہل سنت کے دونوں مکاتبِ فکر' اصحاب الرائے و اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہدا اور انبیا زندہ ہیں۔ برزخ میں وہ عبادات، تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں۔ ان کو رزق بھی ان کے حسبِ حال اور حسبِ ضرورت دیا جاتا ہے۔ شہدا کے متعلق حیات کی وضاحت قرآنِ عزیز میں موجود ہے۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیا علیہم السلام

کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ پاکستان میں جو لوگ توحید کا وعظ کہتے ہیں وہ عقائد کی اصلاح کے سلسلے میں مہینوں مسلسل سفر کرتے ہیں۔ انبیا اور شہدا کی برزخی زندگی اور اس زندگی میں مراتب کے تفاوت کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ بالکل درست ہے۔

جو شخص قبر میں عذاب یا ثواب کو احادیث نبویہ کی روشنی میں مانتا ہو وہ ان صلحا کے متعلق عدم محض وفقدان صرف کا قائل کیوں ہوگا۔ ہاں مراتب کا فرق یقینی ہے۔ انبیا کا مقام یقیناً شہدا سے اعلیٰ وارفع ہونا چاہیے۔ بحث اس میں ہے کہ آیا یہ زندگی دنیوی زندگی ہے؟ دنیوی زندگی کے لوازم اور تکالیف ان پر عائد ہوتی ہیں؟ قبور میں نماز یا تسبیح برزخی طبیعت کا تقاضا ہے؟ یا شرعی تکلیف کا نتیجہ؟ جو لوگ دنیوی زندگی کے اس معنی سے قائل ہیں ان سے واقعی اختلاف اور آئندہ گزارشات میں مولانا انظر اور مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کی چھان پھٹک اسی زندگی کے پیش نظر کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کی سلامتی اور مٹی سے غیر متاثر ہونا اس میں بھی اختلاف نہیں۔ غرض جو کچھ کتاب وسنت میں صراحۃً آیا اور صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں اس میں کوئی نزاع نہیں۔

حیات النبی ﷺ کے متعلق بریلوی عقیدہ

اس معاملہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قابل شکریہ ہیں۔ انہوں نے موضوع کو وضاحت سے سامنے رکھا ہے دلیل ہو یا نہ ہو لیکن انہوں نے فرمانے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ فرماتے ہیں:

((فانهم (الانبياء) صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليهم طيبون طاهرون احياء واموات بل لاموت لهم الا انيا تصديقا للوعد ثم هم احياء ابدًا بحيات حقيقية دنياوية روحانية وجسمانية كما هو معتقد اهل السنة والجماعة (بريلوية) ولذالا يورثون ويمتنع تزوج نساء هم صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليهم بخلاف الشهداء الذين نص الكتاب العزيز انهم احياء ونهى ان يقال لهم اموات۔)) [1]

خان صاحب فرماتے ہیں ''انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کے لیے موت آتی ہے۔ اس کے بعد روحانی اور جسمانی لحاظ سے ان کو حقیقی زندگی اور ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہل سنت کا

---

[1] (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۶۱۰)

عقیدہ ہے (مگر جو اہل سنت ہیں ان کی کتابوں میں نہیں) اسی لیے ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں۔ لیکن شہدا کی زندگی اس کے خلاف ہے ان کا ترکہ بھی تقسیم ہوتا ہے اور بیویاں بھی نکاح کر سکتی ہیں۔'' اور اس قسم کی صراحت خان صاحب نے فتاوٰی رضویہ ص ۶۱۱ میں فرمائی ہے۔

دیوبندیوں کی بریلویوں سے ہم نوائی

مولانا حسین احمد صاحب مرحوم مکاتیب میں فرماتے ہیں ''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (اھ ص ۱۳۰ جلد ۱) سنا ہے۔ مولانا نانوتویؒ اور بعض اکابر دیوبند بھی اسی قسم کی حیات کے قائل تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ نے بھی مدارج النبوۃ میں حیاتِ دنیوی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے سبکی رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ لیکن عام فقہا اور محدثین احناف، شوافع، موالک، حنابلہ رحمہم اللہ سے اس قسم کی صراحت منقول نہیں ہوئی۔ حضرات دیوبند سے بھی حضرت مولانا حسین علی مرحوم (واں بھچراں) اور ان کے تلامذہ مولوی نصیرالدین صاحب وغیرہ بھی صراحۃً اس کے خلاف ہیں۔

غور و فکر کے لیے چند گزارشات

(۱) یہ ایسا خیال ہے کہ امت میں گنتی کے دس آدمی بھی نہیں جو اس کی صراحت کرتے ہوں اور اسے اجماعی عقیدہ کہنا اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔

(۲) اسے متواتر کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ تواتر کی کوئی شرط بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم تواتر میں حواس کا ادراک لازمی ہونا چاہیے۔ قرآن جس زندگی کو خارج از شعور فرما رہا ہے وہاں حواس اور اس کے استعمال اور ادراک کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔

(۳) جس اصلاحی تحریک کے ساتھ تعلق کی بنا پر آپ حضرات کو وہابیت کا سرخاب لگایا گیا اس کے مزاج میں تو سماع موتی کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، حیاتِ دنیوی اس میں کہاں سجے گی۔ مرحوم مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) اور پوری جماعت اہل حدیث نے کتاب و سنت اور اس مقدس تحریک کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان ''الہامی'' اوہام کا انکار کر دیا۔

وکنا دلیلی فی صعود من اطوی

فلما توزقنا ثلت وذلت

(۴) خاں صاحب بریلوی اور مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انبیا کی حیات کو شہدا کی منصوص حیات سے ممتاز فرمایا ہے کہ انبیا کی حیات اقوی ہے مگر اس طرح شہدا کو مقیس علیہ قرار دے کر انبیا کی حیات کو ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔ اقوی کو اضعف پر قیاس کرنا اصول کی تصریحات کے خلاف ہے۔

(۵) انبیا کے ترکہ کی تقسیم اور نکاح ازواج کی حرمت کی علت اگر واقعی دنیوی زندگی ہے تو اس کا حکم شہدا کی ازواج اور ترکہ کے متعلق بھی وہی ہونا چاہیے۔ خاں صاحب اور مولانا نے اس میں خلاف کی صراحت فرمائی ہے۔ اس لیے حیاتِ انبیا کے لیے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران کی آیات کو اساسی نہیں قرار دینا چاہیے۔

(۶) ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتبِ عقائد (شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ، شرح العقیدہ الاصفہانیہ، عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محلِ نظر ہے۔ عقیدہ کے لیے حسبِ تصریح متکلمین واشاعرہ وماتریدیہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیاتِ انبیا کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیحہ سے بھی فروتر ہیں۔ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَهُ نَظَرٌ فِي فَنِّ الرِّجَالِ.

(۷) آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت بعض امہات المومنینؓ کی عمر بہت کم تھی۔ خان صاحب بریلوی نے اہل اللہ کی حیاتِ دنیوی کے ساتھ شب باشی کا راستہ بھی کھول دیا۔ (ملفوظات جلد۳ ص ۳۶) (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اکابرِ دیوبند صرف زندگی کے قائل ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ عقلاً زندگانی کافی ہے۔ حالانکہ حقوق زوجیت کے لیے صرف حیات کافی نہیں۔ کیا اس قسم کے بھونڈے استدلال سے پرہیز ہی زیادہ مناسب تھا؟

(۸) موت کی پوری حقیقت تو معلوم نہیں بظاہر فوت جسم اور روح کے انفصال کا نام ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس پر شریعت نے عدت اور تقسیم ترکہ کے احکام مرتب فرمائے ہیں۔ اہلِ سنت موت کے جسم اور روح کے غیر شعوری تعلق کو مانتے ہیں۔ عدم محض اور کلی فقدان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے مولانا محمد زاہد صاحب کے ارشادات کا آخری حصہ بالکل بے ضرورت ہے۔ پاکستان کے اہل توحید، انبیا علیہم السلام کے متعلق موت کی کسی نئی قسم کے قائل نہیں۔

(۹) دنیوی زندگی ماننے سے کوئی عقلی مشکل تو قطعاً حل نہیں ہوگی البتہ بیسیوں مشکلات اور سامنے آ جائیں گی جن کا حل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

عقل مند آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ نبی کو دیوار کی اوٹ میں چھپانے میں کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل؟ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر کیسے تشریف رکھی؟ حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں طلب کیا؟ کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ والد کی زندگی میں یہ مطالبہ درست ہی نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث نحن معاشر الانبیاء فرما کر ان کو مطمئن فرمایا۔ یہ کیوں نہ فرمایا کہ مطالبہ قبل از وقت ہے۔ فتنۂ ارتداد اور بعض دوسرے مصائب میں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کیا نہ آنحضرت ﷺ نے کوئی مفید مشورہ دیا۔ حالانکہ زندگی میں بوقت ضرورت دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کیا خوب فرماتے ہیں:

لو كان حيا في الضريح حياته	قبل الممات بغير ما فرقان
ما كان تحت الارض بل من فوقها	والله هذى سنة الرحمن
اتراه تحت الارض حيًا ثم لا	يفتيهم بشرايع الايمان
ويريح امته من الآراء	والخلف العظيم وسائر البهتان
ام كان حيًا عاجزًا عن نطقه	وعن الجواب لسائل لهفان
وعن الحراك فما الحياة اللات قد	اثبتموها اوضحوا ببيان [1]

”اگر آنحضرت ﷺ کی زندگی دنیوی ہے تو زمین کے نیچے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ زمین کے نیچے زندہ ہوں اور فتوی نہ دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اختلاف اور ان پر بہتان سے نہ بچائیں۔ اگر زندہ ہوتے تو سوال کا جواب دیتے نیز اگر حرکت کرنے سے عاجز ہیں تو پھر زندگی نہ رہی جسے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔“

دنیوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں عقلی سوال آپ پر عائد ہوں گے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ ہو کر رہ جائے گی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح، مختار بن عبید ثقفی کی عیاریاں، حرہ کا فتنہ، مسیلمہ اور اسود کی نبوت، حجاج بن یوسف کے مظالم، عباسی انقلاب، سقوطِ بغداد اور ترکوں کے مظالم، قادیانی نبوت ایسے حوادث، لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت ﷺ مداخلت فرمائیں۔ مسجد کے ایک خادم کی موت پر

---

[1] (قصیدہ نونیہ ص ۱۴۱ طبع مصر)

حضرت بے قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت پر تعزیت کے لیے بھی تشریف نہ لائیں۔ عقل منداور ذہین لوگ آپ سے دریافت کریں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تلخی بالکل برمحل ہے۔

یاقومنا استحیوا من العقلاء	والمبعوث بالقرآن والرحمان
واللہ لاقدر الرسول عرفتم	کلا ولا النفس والانسان
من کان ھذا القدر مبلغ علمہ	فلیستتر بالصمت والکتمان
ولقد ابان اللہ ان رسولہ	میت کما قد جاء فی القرآن [1]

''اے قوم! تمہیں خدائے ذوالجلال' قرآن اور عقل مندوں سے شرم محسوس ہونی چاہیے۔ نہ تم نے آنحضرت ﷺ کی قدر کو پہنچا، نہ انسانیت اور روح کی اقدار کو تم نے سمجھا۔ جس کا اسی قدر مبلغ علم ہو اسے خاموش ہو کر چپ رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر موت وارد ہو چکی۔''

انبیا کی حیاتِ دنیوی' اہل بدعت کا مذہب ہے

ابن القیمؒ کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حیات دنیوی اہل بدعت اور معطلہ کا مذہب ہے۔ قصیدہ نونیہ ص ۱۴۰ املاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں: ''ہماری یہ شہادت ہے کہ تم زمین پر قرآن کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے نہ آسمان پر خدا کو تم قابل اطاعت سمجھتے ہو اور نہ ہی تمہارے خیال میں آنحضرت ﷺ قبر میں مدفون ہیں۔''

اگر مولوی احمد رضا اس قسم کی بہکی باتیں کہیں تو تعجب نہیں' اہل توحید اور مدرسین حدیث سے اس قسم کے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔

کیا موت انبیا کے لیے موجبِ توہین ہے؟

یہ سمجھ نہیں آیا کہ انبیا علیہم السلام اور اہل اللہ کے حق میں ہم موت سے گھبراتے کیوں ہیں؟ موت کوئی بری چیز نہیں' نطفہ سے شروع ہو کر قبض روح' طفولیت' صبا' مراہقت' شباب' کہولت' شیخوخیت زندگی کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ عوارض ہیں۔ مگر انبیا' صلحا' اہل اللہ سب کو اس راہ سے گزرنا ہے۔ اس لیے کسی کے لیے ان میں کوئی منزل نہ تو خوشگوار ہے نہ موجبِ توہین۔ زندگی بہر حال ان منازل ہی سے تعبیر ہے۔

[1] (قصیدہ نونیہ ص ۱۴۲)

قرآن عزیز نے فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورۂ ملک) یعنی موت وحیات اسی دارالابتلا کی منازل ہیں جن سے ہر انسان کو گزرنا ہے۔ دنیوی زندگی سے آخرت تک پہنچنے کے لیے موت ایک پل ہے جسے سب کو عبور کرنا ہے' اس میں نہ تحقیر ہے نہ اہانت۔ اگر موت کوئی بری چیز ہے تو انبیا اور صلحا پر اسے ایک آن کے لیے بھی نہیں آنا چاہیے اور اگر واقعی آخرت کے سفر کی یہ بھی ایک منزل ہے تو اس کے لیے پیچ وتاب کھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے اسی قانون سے آنا چاہیے جو ساری کائنات کے لیے اس کے خالق نے تجویز فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: لَعَلِّي لَا اَلْقَاكَ بَعْدَ عَامِي هٰذَا [مجمع الزوائد] شاید میں تمہیں آئندہ نہ مل سکوں۔'' اسی طرح ایک خاتون سے فرمایا: ان لم تجديني فاتي ابابكر (مشکوٰۃ) ''اگر میں زندہ نہ رہا تو تم (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔'' سورۂ نصر کے نزول پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ آپ رو دیے۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ سنا اور ایک لمحہ کے لیے اسے ناپسند نہیں فرمایا۔ تاریخ' سیرت اور سنت کے دفاتر موت کے حوادث سے بھرپور ہیں۔ پھر معلوم نہیں ہم لوگ اس کے ذکر سے لرزہ براندام کیوں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے تذکرہ سے از دیوبند تا بریلی ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی وفات' موت' تجہیز وتکفین' دفن کے عنوان موجود ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے گھبراہٹ کیوں ہوتی ہے؟ بعض امہات المومنینؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سر کے بال کٹوا دیے۔ اس لیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں۔ [صحیح مسلم] بعض امہات المومنین نے سر بالکل منڈا دیا۔ [مجمع الزوائد] کیونکہ حضرت انتقال فرما چکے' اسے موت کہیے وصال کہیے۔ آنحضرت ﷺ کو خلوت گزین فرمایئے کوئی عنوان اختیار فرمایئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم اور روح کا دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے۔ یہی موت ہے جو برزخی احوال اور قبر کی زندگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا ایک صحیح ذریعہ ہے۔ آپ فرمائیں کہ عالم برزخ میں موت اور زندگی میں ترادف ہے تو مجھے اس اعتراض سے انکار نہیں مگر موت کا انکار اہل علم سے ایک شرمناک سانحہ ہے۔

عنوان سے حقیقت نہیں بدلتی

عنوان اور تعبیرات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ مولانا حسینؒ احمد کی جلالتِ قدر اور مولانا نانوتویؒ کی غزراتِ علمی اور شیخ عبدالحقؒ کی سادگی اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔ جس کا

اقرار قرآن حکیم نے محکم آیات میں فرمایا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع فرمایا ہو اور دنیا کی تاریخ نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ غرض موت سے گھبراہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں یا پھر صراحت فرمایئے کہ موت بری چیز ہے' اس میں حقارت پائی جاتی ہے اور اسے ایک لمحہ کے لیے بھی مت تسلیم فرمایئے۔ واقعی آنحضرت ﷺ کی بے ادبی کفر ہے۔

کراھیۃ الموت

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے موت سے کراہت کفر کی علامت ہے۔ یہودی اور مشرک موت کو ناپسند کرتے تھے۔ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَّمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ. (۹۶:۲) ''یہودی اور مشرک دنیوی زندگی کے زیادہ خواہش مند تھے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہزار ہزار سال زندہ رہیں۔ لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں' عذاب بہرحال ہو کر رہے گا۔'' غزوہ احد میں منافق بھی موت ہی سے گھبراتے تھے۔ قرآن عزیز نے فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ.

''تم گچ گنبدوں میں بھی قیام کرو موت ضرور آئے گی۔''

آنحضرت ﷺ کی دعوتِ مباہلہ

انبیا علیہم السلام اور صلحائے امت جن کا مستقبل انتہائی تابناک اور روشن ہے وہ اس سے کیوں گھبرائیں۔ آنحضرت ﷺ فداہ روحی نے مخالفین کو دعوتِ مباہلہ دی۔ ہم اگر ان سے موت کی نفی کریں تو مدعی ست اور گواہ چست کی مثال صادق آئے گی۔ اہلِ توحید کا مقام ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح وہ راضی برضا ہیں۔ نہ زندگی سے مسرت نہ موت کا غم' جو حکم آئے اس کے لیے ہر وقت تیار۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے مولانا بریلوی ایک آن کے لیے موت تسلیم کرتے ہیں! اگر موت مقامِ نبوت کے منافی ہے تو ایک آن کے لیے بھی کیوں ہو۔ اگر یہ منافی نہیں تو ان کے لیے اس قانونِ قدرت کو کیوں بدلا جائے!

خان صاحب بریلوی کی طویل ایک ''آن''

خاں صاحب بریلوی کی ''آن'' تو اتنی طویل ہے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال سوموار کو ہوا' دفن بدھ کو فرمایا گیا۔ گھر والوں نے تجہیز و تکفین کے انتظامات کیے' دوسرے ساتھیوں نے سقیفۂ بنی

ساعدہ میں آئندہ خلافت کے متعلق دانش مندانہ فیصلہ فرما دیا۔ آنحضرت ﷺ کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ ؓ نے پڑھی۔ خان صاحب قبلہ کی ربڑ کی آن ختم نہ ہو سکی یا پھر ملائکہ کو اور صحابہ ؓ کو آنحضرت ﷺ کی دنیوی زندگی کا احساس نہ ہوا۔ تیسرے دن اشک بار آنکھوں کے ساتھ جیتے پیغمبر کو دفن کر دیا۔ اس زندگی کو نہ بیویاں سمجھ سکیں نہ حضرت فاطمہ ؓ جان سکیں۔ مشہد کے شیعہ حضرات آپ سے دریافت کریں گے کہ زندہ درگور کرنے والے آیا آنحضرت ﷺ کے سچے ساتھی تھے؟ علمائے ہیئت دریافت کریں گے یہ آن کتنے گھنٹوں کی تھی؟

یاللعقول الطائشہ! ویاللمضحکات! وقد صدق ابن القیم

واللہ ماقدر الرسول عرفتم   کلا ولا النفس والانسان

حیاتِ شہدا کی تحقیق اور اس کی نوعیت

کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے اس اصطلاحی مفہوم کا شہدا کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے لیکن قتل کے عنوان سے جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد دائمی فنا میں ان اعمال پر کوئی جزا مرتب نہ ہوگی۔ قرآن نے اسی معنی سے نفی فرما دی اور اس دنیا سے رخصت کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف ہوگی۔ اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن موت بمعنی انفصالِ روح سے انکار قطعاً غلط ہے اور ہدایتِ حسی سے جنگ۔ وَلَا يَرْغَبُ عَنْ نَفْسِهٖ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ.

پھر یہ زندگی اگر دنیوی زندگی ہی تھی تو لاتشعرون کیوں فرمایا گیا اور انسان اس قدر بے شعور ہیں کہ اس زندگی کو بھی نہیں سمجھتے جس کی زلفِ پریشان کے بناؤ سنگار میں پوری زندگی صرف ہو رہی ہے۔ یہ تو وہی سوفسطائیت ہوئی جسے عقل گوارا کرتی ہے نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔

سابقہ عمومی گفتگو کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور محلِ نزاع کی تعیین کے بعد دونوں بزرگوں نے جو دلائل ارقام فرمائے ہیں وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آیات اور احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال میں دنیوی زندگی کا ذکر بالکل نہیں اور حضرات علمائے کرام کی آرا قابل احترام ہونے کے باوجود شرعاً حجت نہیں۔ اس کے باوجود مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کمزور تمسکات پر بھی مختصر گفتگو ہو جائے۔

قرآن عزیز نے شہداء کی زندگی کا ذکر سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰـکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ۔

[سورۂ بقرہ]

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ۔

[آل عمران]

دونوں آیات شہدا کی زندگی میں نص ہیں۔ اہل سنت کے مکاتب فکر سے کسی نے اس زندگی کا انکار نہیں کیا۔ حضرت مولانا حسین احمدؒ فرماتے ہیں: ”آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی از قبیل دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔“ (مکاتیب جلد ا ص ۱۳۰ بحوالہ دارالعلوم نومبر ۱۹۵۵ء)

مولانا شہدا کی زندگی کو روحانی سمجھتے ہیں اور انبیا کی جسمانی زندگی کو اس سے قوی تر۔ ظاہر ہے کہ حسب ارشاد مولانا یہ آیت روحانی' برزخی اور کمزور زندگی کے لیے دلیل بن سکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیوی' جسمانی طاقت ور زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لیے یہ آیت دلیل نہیں بن سکتی، نہ ہی اس پر اس کا قیاس درست ہوسکتا ہے۔

آپ حضرات بھی جانتے ہیں کہ شہدا کی زندگی کے باوجود ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں، ان کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور انبیا کی زندگی چونکہ قوی تر ہے اس لیے نہ ان کی ازواج نکاح کر سکتی ہیں نہ ان کا ترکہ تقسیم ہوسکتا ہے۔ اندریں صورت یہ آیت اس کے لیے کیا دلیل ہو سکے گی؟

شہدا کی زندگی کے متعلق سورۂ بقرۃ میں لاتشعرون فرمایا ہے۔ یعنی یہ زندگی تمہارے شعور سے بالا ہے۔ آل عمران میں احیاء عندربھم یرزقون فرمایا۔ محطِ فائدہ کی قید زائد ہے۔ عنداللہ کا تعلق احیاء سے ہو یا یرزقون سے دونوں عنداللہ ہوں گی فی الدنیا نہیں ہوں گی۔ اس لیے شہدا کی زندگی تو بنص قرآن عنداللہ ہے اور انبیا کی برزخی زندگی جسمانی دنیوی ہے۔ و بینھما بون اس لیے انبیاء کی زندگی کے لیے ان آیات سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ اب آپ حضرات اگر اس گزارش سے متفق ہوں تو شہداء کی زندگی کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں رہے گا اور حیات دنیوی پر ان سے استدلال بھی درست نہیں ہوگا۔ جب زندگیاں ہی دونوں الگ الگ ہیں تو نہ ایک کا قیاس دوسری پر ہو سکے گا نہ ایک کے دلائل دوسری کے لیے دلیل بن سکیں گے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے معتاد رزق سے اگر دنیوی معتاد سمجھا ہے تو یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا

کیونکہ شہدا کی زندگی جب عند اللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جا سکتا ہے۔ اگر معتاد برزخی مراد ہے تو حیاتِ دنیوی کے لیے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔

رزق سے استدلال بے معنی ہے

ایسے رزق سے زندگی پر استدلال بالکل بے معنی اور غلط ہے۔ رزق تو انبیا اور شہدا کے علاوہ برزخ میں باقی ایمان دار مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ ارشادِ ربانی پر غور فرمائیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ [الحج ۲۲:۵۸]

آیت میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس جب رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا۔ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا نہیں۔ یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ لیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحقیق

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”آرے ارواح شہیداں از تمتعاتِ ایں جہان و تکلیفات دنیا دور افتادہ اند۔ اما تمتعاتِ جسدانیہ بے تکلفات دارند۔ اصلاً روئے غم والم نمے بینند۔ بر درحقیقت حیاتِ ایشاں اتم از حیاتِ دنیوی است۔“ [تفسیر عزیزی ص ۴۷۱]

”یعنی شہداء کی روحیں اس دنیا کے فوائد اور تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں۔ لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام (سبز پرندوغیرہ) عطا ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بے تکلف مستفید ہوتے ہیں۔ انہیں فکر اور غم نہیں ہوتا۔ ان کی یہ زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔“

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

”ایں نوع تعلق کہ ارواح شہداء را با جانوراں پرندہ بہم میرسید ہم بیرون از عالم عناصر است (ص ۴۷۱)“ ”شہداء کا جن پرندوں سے تعلق ہے یہ بھی اس عنصری دنیا سے بالکل الگ ہیں۔“

”ص ۴۷۲“ ”پس حیاتِ شہدا در عالم برزخ حیاتِ جزائی است نہ حیات ابتدائی۔ اھ“

”برزخ میں شہدا کی زندگی جزائے اعمال کے لیے ہے۔ ابتدائی اور اعمال کی زندگی نہیں۔“

شاہ صاحب کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کی زندگی اس عنصری دنیا کی زندگی نہیں بلکہ وہ عالم برزخ اور دار الجزا کی زندگی ہے۔ معلوم نہیں ہمارے ان اکابر کو دنیوی زندگی کہاں سے سمجھ میں آئی اور دنیوی زندگی سے ان کو کیوں محبت ہے۔ دنیوی زندگی کو ترجیح کفار کا خیال تھا۔ ان ھی الاحیاتنا الدنیا. (جو کچھ ہے دنیا ہی دنیا ہے) انبیا اور شہدا کے تو تصور میں بھی ایسا نہیں آ سکتا۔ ابن القیمؒ کا تجزیہ کس قدر درست ہے۔

واللہ لا الرحمن اثبتم ولا ارواحکم یامدعی العرفان

عطلتم الابدان من ارواحھا والعرش عطلتم من الرحمن

جیسا کہ گزرا یہ عقیدہ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق فرقہ معطلہ کا تھا۔ عقائد کے بارے میں یہ لوگ اپنے وقت کے بدعتی تھے۔ اہل سنت کا عقیدہ شہدا اور انبیا کی حیاتِ دنیوی کا نہیں حیاتِ برزخی ہے، جس کی صراحت شاہ صاحب نے فرمائی ہے۔

علامہ آلوسی حنفی رحمہ اللہ کی تصریحات

شیخ شہاب الدین ابو الفضل السید محمود آلوسی بغدادی نے ۱۲۷۰ھ جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق، عراق کے مفتی اور مسلکاً حنفی ہیں۔ روح المعانی (پارہ ۲ بقرہ) میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے حیاتِ شہدا کے متعلق پانچ مسالک کا ذکر فرمایا ہے۔ اول جسمانی، دوسری روحانی، باقی مسالک باطل ہیں۔ پہلے مسلک کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہ راجح ہے۔ ابن عباس، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطا، جبائی، رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی پسند کیا ہے۔

جسم کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے بعض اسی جسم کے قائل ہیں جس پر شہادت وارد ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حیات کا تعلق پرندوں سے ہے جن کا رنگ سبز ہوگا۔ ان کے آشیانے قندیلیں ہوں گی۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ دنیوی جسم سے ملتا جلتا جسم ان کو عطا ہوگا اس کے بعد فرماتے ہیں:

((وعندی ان الحیوۃ ثابتۃ لکل من یموت من شہید وغیرہ وان الأرواح وان کانت جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لامن تعلقھا ببدن برزخی مغایر لھذا البدن الکثیف)) [ص ۲۱ پ ۲]

''یعنی حیات برزخی سب کے لیے ثابت ہے۔شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں۔ارواح قائم بالذات ہیں۔(مذہب اہل سنت) اس محسوس دنیوی بدن سے مغایر ہیں لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں۔یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

''وَاِنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ يَثْبُتُ لَهَا هٰذَا التَّعَلُّقِ عَلٰى وَجْهٍ يَمْتَازُوْنَ بِهٖ عَمَّنْ عَدَاهُمْ مَا فِي اَصْلِ التَّعَلُّقِ اَوْفِي نَفْسِ الْحَيٰوةِ بِنَاءً عَلٰى اَنَّهَا مِنَ الْمَشَلِّكِكِ لَا الْمُتَوَاطِي۔ ا ھ''

''شہدا کی ارواح کا یہ تعلق باقی اموات سے امتیازی ہے۔یہ امتیاز روح کے تعلق میں ہو یا زندگی ہی کلی مشکک ہو۔''

دنیوی جسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ چنداں مستبعد نہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ دنیوی جسم کے ساتھ زندگی سے کمزور اعتقاد لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے اور ایک سفاہت پر یقین دلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ برزخی زندگی کے قائل ہیں اور اسی زندگی میں شہدا اور عام اموات کو شریک سمجھتے ہیں۔لیکن اس زندگی میں تواطؤ کی بجائے تشکیک سمجھتے ہیں تاکہ شہدا اور باقی اموات میں امتیاز رہے۔ان کے اس مفصل ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ سنت سے ان کے زمانہ ۱۲۷۰ھ تک دنیوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں۔دنیوی جسم کے ساتھ تعلق کے جو لوگ قائل ہیں وہ بھی تعلق کی نوعیت برزخی سمجھتے ہیں۔معلوم نہیں اکابر دیوبند میں یہ غلط عقیدہ آ گیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ آخر میں فرماتے ہیں:

((وما يحكى من مشاهدة بعض الشهداء الذين قتلوا منه مئات سنين وانهم الى اليوم تشخب جروحهم دما اذا رفعت العصابة عنها فذلك مما رواه هين بن بيان وما هوالا حديث طرفة وكلام يشهد على مصدقيه تقديم السخافة۔)) ا ھ ❶

''اور ایسی حکایات جن میں صدیوں کے بعد شہدا کے اجسام سے خون بہنے کا ذکر ہے یہ سب خرافات ہیں۔ ان کے راوی غیر مستند ہیں اور ان حکایات کی تصدیق کرنے والے نحیف العقل ہیں۔''

تعجب ہے کہ مولانا بدر عالم صاحب ایسے ثقات نے بھی ان روایات کا تذکرہ مجمل تنقید کے ساتھ فرمایا ہے۔ حالانکہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کی پارٹی کے مزخرفات کے جواب میں اس قسم کی روایات پر محدثانہ تنقید ہونی چاہیے تاکہ شکوک وغیرہ عامۃ المسلمین کے ذہن کو ماؤف نہ کر دیں۔

حافظ ابن جریر کی تصریح

حافظ ابن جریرؒ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ برزخی زندگی تو سب کے لیے ہے پھر شہدا کی خصوصیت کیا ہے۔

((انھم مرزوقون من ماکل الجنۃ ومطاعمھا فی برزخھم قبل بعثھم ومنعمون بالذی ینعم بہ داخلوھا بعد البعث من سائر البشر من لذیذ مطاعمھا الذی لم یطعمھا احد فی برزخہ قبل بعثہ۔)) اھ۔[1]

''شہدا کو جنت کے لذیذ کھانے برزخ ہی میں ملیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہ انعامات برزخ کے بعد جنت میں ملیں گے۔'' یعنی شہدا کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ ان کا برزخ جنت کی نظیر ہے۔ جنت کے لذائذ ان کو قبر ہی میں مرحمت فرمائے جائیں گے۔ یہی مزیت ہے جسے حیات سے تعبیر فرمایا اور انہیں میت کہنے سے روکا گیا ہے۔

مولانا نواب محمد صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ والیٔ بھوپال مکتب فکر کے لحاظ سے اہل حدیث ہیں۔ اس لیے آپ حضرات کو ان سے یقیناً اختلاف ہوسکتا ہے لیکن دقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً بہت اونچا ہے اور فہم قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے۔ بہت سے اکابر قدما سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

((بل ھم احیاء فی البرزخ تصل ارواحھم الی الجنان فھم احیاء من ھذہ

[1] (ابن جریر ص ۲۴ جلد ۲)
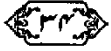
الجهة وان كانوا امواتا من جهة خروج الروح من احسادهم. اھ)) ❶

''شہدا برزخ میں زندہ ہیں ان کی روحیں جنت میں جاتی ہیں گو روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے۔''

ص ۲۰۵ میں فرماتے ہیں:

''روح جوہر قائم بالذات بدن سے حسی طور پر مغایر ہے' جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے نزدیک موت کے بعد بھی اس کا ادراک باقی رہتا ہے۔ کتاب وسنت کا یہی منشا ہے۔''

درسیات کے مشہور ملاجیون (صاحب نور الانوار) نے التفسیرات الاحمدیہ (ص ۲۹' ۱۴۱ طبع کریمی بمبئی) میں حیات شہدا پر طویل بحث کے سلسلے میں اسے برزخی ہی قرار دیا ہے۔

پیش کردہ احادیث پر ایک نظر

حیاۃ الانبیا بیہقی کے حوالہ سے اس مسئلہ میں احادیث مرقوم ہیں۔ مقام نزاع کے تعین کے بعد ان میں سے کوئی استدلال کے قابل نہیں۔ پھر حیات دنیوی کا ذکر کسی میں بھی نہیں۔ احادیث کے نام کی اہمیت اور اسلام میں سنت کے مقام کی رفعت کے پیش نظر اس کے متعلق اختصار سے ذکر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ نامہ نگار کا تعلق دیوبندایسی علمی درس گاہ سے ہے اس لیے بعض اہم احادیث کو جرح وتوثیق کے لحاظ سے یہاں جانچا جاتا ہے۔

نمبر ا۔ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ. (بیہقی کا رسالہ۔ خصائص کبریٰ انباہ)

تحقیق

اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے بھی میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول لا باس به ذکر کرکے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی:

قلت بل هو هالك قال الدارقطني في رواية البرقاني متروك الحديث قال ابو حاتم ضعيف قال الازدي واهي الحديث قال العقيلي كثير الوهم ١ هـ (ص ۲۴۱ ج ۱) یعنی ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں یہ هالك متروك الحديث ضعيف واهي الحديث او اكثر الوهم ہے۔''

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ص ۲۴۶ جلد ۲ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس

❶ (فتح البیان ص ۲۰۴ جلد ۱)

جرح کی تصدیق فرمادی ہے۔حافظ خطیب بغدادیؒ نے بھی اسے واهي الحديث اور متروك الحديث فرمایا ہے(تاریخ بغداد ص ۴۰۵ جلد ۷)باقی رہا شوکانی کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث رَدَّاللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي کی تشریح میں یہ لکھنا لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ وَ رُوْحُهُ لَاتُفَارِقُهُ لِمَا صَحَّ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ ۔ (ص ۲۸)

تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے ”صح“ سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے۔یہ صح بمعنی ثبت ہی ہوسکتا ہے۔جب تک حدیث پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو۔محدثین کے نزدیک ”ثبت“ سے اس کی تعبیر ہوسکتی ہے۔نیل الاوطار میں حافظ شوکانی نے یہی لفظ اختیار فرمایا ہے۔

((وقدثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم ۔)) ❶

ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جاسکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد تو اس پر نہیں رکھی جاسکتی۔اہل حدیث اور ائمۂ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح تو ہونی چاہیے۔

كَمَا ذَكَرَهُ اِبْنُ الْقَيِّمِ فِي الصَّوَاعِقِ الْمُرْسَلَةِ اس حدیث کے متعلق ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

وحديث ذكر حياتهم بقبورهم	لما يصح وظاهر النكران
فانظر الى الاسناد تعرف حاله	ان كنت ذا علم بهذا الشان
هذا ونحن لقولهم احياء لكن	عندنا كحياة ذي الابدان
والترب تحتهم وفوق رؤسهم	وعن الشمائل ثم عن ايمان
مثل الذي قد قلتموها معاذنا	بالله من افك ومن بهتان

”انبیا کی حیات فی القبور جس حدیث میں مذکور ہے اس کی سند صحیح نہیں۔اہل فن کو اس کی سند پر غور کرنا چاہیے‘ اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کے مبارک اجسام کے دائیں بائیں نیچے اوپر مٹی موجود ہے اور جس زندگی کے تم قائل ہو اس جھوٹ اور بہتان سے خدا کی پناہ۔“

---

❶ (ص ۳۰۵‘جلد ۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز

حدیث نمبر ۲، ۳، ۴ میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ نے انہیں قبر میں نماز ادا فرماتے دیکھا۔ یہ بھی حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ قبر میں بھی دیکھا۔ بیت المقدس میں انبیا علیہم السلام کے ساتھ بھی نماز میں شریک ہوئے پھر آسمان پر بھی آپ سے ملاقات فرمائی اور مفید مشورے دیے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت یونس علیہ السلام کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا۔ دجال کو بحالتِ احرام حج کے لیے جاتے دیکھا۔ عمرو بن لحی کو جہنم میں دیکھا۔ یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رویت ہیں۔ اگر اسے دنیوی حیات سے تعبیر کیا جائے جو دجال ایسے خبیث لوگوں کو بھی حاصل ہوئی تو انبیا کی فضیلت کیا باقی رہی۔ انبیا کی حیات اہل سنت کے نزدیک شہدا سے بھی بہتر اور قوی تر ہے۔ برزخ میں عبادت، تسبیح، تہلیل اور رفعت درجات ان کو حاصل ہے اور بعض واقعات صرف مثالی ہیں جو آنحضرت ﷺ کو آیاتِ کبریٰ کے طریق پر دکھائے گئے۔ ان سے زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا نے کتاب الروح لابن القیمؒ سے بعض حکایات نقل فرمائی ہیں۔ تعجب ہے۔ کتاب الروح کے اہم مباحث کیونکر ان کی نظر سے اوجھل رہ گئے۔

حافظ ابن القیمؒ نے امام ابن حزم کا ایک حوالہ ان کی کتاب الفصل سے نقل فرما کر اس کے بعض حصص پر تنقید فرمائی ہے اس میں اس حیات کا واضح تذکرہ فرمایا ہے:

((قلت ماذکرہ ابن حزم فیه حق و باطل اما قوله من ظن ان المیت یحیی فی قبرہ فخطا فهذا فیه اجمال ان ارادبه الحیاة المعهودة فی الدنیا التی تقوم فیه الروح بالبدن وتدبرہ وتصرفه ویحتاج معها الی الطعام والشراب فهذا خطاء کما قاله والحس والعقل یکذبه کما یکذبه النص وان لرادبه حیاة اخری غیر هذہ الحیاة بل تعاد الروح الیه غیر الاعادة المالوفة فی الدنیا لیسئل ویمتحن فی قبرہ فهذا حق ونفیه خطاقد دل علیه النص الصریح فتعاد روح فی جسدہ۔)) اھ [1]

”یعنی اگر زندگی سے دنیوی زندگی اور اس کے لوازم مراد ہیں تو یقیناً یہ غلط ہے۔ ایسی زندگی میت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس سے مراد دنیوی زندگی کے علاوہ ہے جس میں روح کے اعادہ معتاد زندگی کی طرح نہ ہو۔ اس کا مقصد صرف سوال

[1] (کتاب الروح ص ۵۲)

اور امتحان ہو تو یہ درست ہے۔ اس کا انکار کرنا غلطی ہے یہ زندگی نص صریح سے ثابت ہے۔''

پھر ص ۵۴ میں فرماتے ہیں جسم کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) ماں کے پیٹ میں بصورت جنین۔

(۲) پیدائش کے بعد۔

(۳) نیند کے وقت من وجہ تعلق، من وجہ علیحدگی۔

(۴) برزخ کا تعلق، اس میں گو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن تجرد کلی نہیں ہوتا بلکہ سلام کے جواب کے لیے اسے لوٹایا جاتا ہے لیکن یہ دنیوی زندگی نہیں ہوتی جو اسے قیامت سے پہلے حاصل تھی۔

(۵) قیامت کے دن کا یہ کامل ترین تعلق ہر پہلے چاروں قسم کے تعلق کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اہل سنت کے مسلک کی اس میں پوری وضاحت فرما دی ہے۔ دنیوی زندگی کا ائمہ سنت سے سلف امت میں کوئی بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں شیخ عبدالحق اور مولانا حسین احمد رحمہما اللہ نے یہ مصیبت کہاں سے خرید فرمائی! درحقیقت یہ بات بے تکی سی ہے جو کسی پہلو سے بھی درست نہیں بیٹھتی۔ عفا اللہ عنہما۔

حدیث نمبر ۱۵ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکلا اجساد الانبیاء. (رواہ اصحاب السنن و ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ میں بعض ائمہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

((وللحدیث طرق جمعها المنذری فی جزء فتعدد الطرق [1] یشد بعضها بعضا)) [ص ۲۵۵ ج ۱]

حافظ ابن القیمؒ نے بھی جلاء الافہام میں ابن حاتم کی جرح کے جواب میں کوشش فرمائی ہے جس کی بنیاد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر اور عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے اشتباہ پر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلاء الافہام کی ساری بحث پڑھنے کے بعد بھی ذہن صاف نہیں ہوتا۔

---

[1] جہاں تک ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ٹکڑے کا تعلق ہے وہ صرف تین سندوں سے مروی ہے اور تینوں مخدوش ہیں۔ حدیث نمبر ا ابی الدرداء پر امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ جیسے بالغ نظر ائمہ حدیث کی جرح کو نظر انداز کرنا بہت مشکل ہے۔ سنن ابن ماجہ کی سند کا حال علامہ سندھی کے کلام سے معلوم کر لیجیے۔ ایک روایت طبرانی کے حوالے سے حافظ سخاوی نے ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی حافظ عراقی سے نقل کر دیا ہے۔ لایصح القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع ص ۱۱۹)

اجلہ محدثین رحمہم اللہ کی تنقید ایسی نہیں جو مناظرانہ احتمالات کی نذر کر دی جائے۔ حافظ عبدالعظیم منذری مختصر سنن ابی داؤد ص ۴ جلد ۲ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

((اخرجه النسائی و ابن ماجه وله علة دقيقة اشار اليها البخاری و غيره قد جمعت طرقه فی جزء)) ا ھ

اسی طرح انہوں نے الترغیب والترہیب (ص ۱۲۹ جلد اول مصری) میں فرمایا ہے۔ اس ''علۃ دقیقۃ'' کی وضاحت علامہ تقی سبکیؒ اور حافظ سخاویؒ نے کر دی ہے۔ سبکیؒ لکھتے ہیں:

((وعلة ان حسين ابن علی الجعفی لم يسمع من عبدالرحمن بن يزيد بن جابر وانما سمع من عبدالرحمن بن يزيد بن تميم وهو ضعيف۔ فلما حدث به الجعفی غلط فی اسم الجد فقال ابن جابر۔)) ❶

اسی کے قریب قریب حافظ سخاویؒ لکھ کر فرماتے ہیں۔

((ولهذا قال ابو حاتم ان الحديث منكر)) ❷

امام بخاریؒ کا وہ اشارہ التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر میں ہے۔ اول الذکر میں یہ ذیل ترجمہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم لکھتے ہیں:

((يقال هو الذی روی عند اهل الكوفة ابو اسامة وحسين فقالوا عبدالرحمن بن يزيد بن جابر۔)) ❸

((واما اهل الكوفة فردوا عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر وهوا بن يزيد بن تميم ليس بابن جابروا بن تميم منكر الحديث)) اھ۔

حافظ ابوحاتم کا ارشاد ان کے صاحب زادے حافظ عبدالرحمٰن نے نقل کیا ہے:

((سمعت ابی يقول عبدالرحمن بن يزيد بن جابر لااعلم أحدا من اهل العراق يحدث عنه والذی عندی ان الذی يروی عنه ابواسامة وحسين الجعفی واحد وهم عبدالرحمن بن يزيد بن تميم۔))

پھر اس علت کو بنیاد بنا کر زیر بحث روایت نقل کی اور لکھا ہے:

---

❶ شفاء السقام ص ۴۷۔

❷ (القول البدیع ص ۱۱۹)

❸ (التاریخ الکبیر ص ۳۵۶ جلد ۳ قسم اول) اور التاریخ الصغیر (ص ۱۷۹) میں فرماتے ہیں:

((وھو حدیث منکر لا اعلم احداً رواہ غیر حسین الجعفی۔)) ❶

ان ائمہ کے علاوہ علامہ ابوبکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں:

((ان الحدیث لم یثبت۔)) ❷

اسی مضمون کی دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں فنبی اللہ حی یرزق کی زیادتی مرقوم ہے۔ (ص ۱۱۹ کتاب الجنائز)۔ شوکانی نے غالباً اس کو بسند جید لکھا اور صاحب تنقیح الرواۃ نے بھی ان کی متابعت میں اس سند کو جید فرمایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

((رجالہ ثقات لکنہ منقطع)) ❸

تعلیق سندھی حنفی علی ابن ماجہ (ص ۵۰۲ جلد ۱) میں ہے:

((منقطع فی موضعین لان عبادۃ روایۃ عن ابی الدرداء مرسلۃ وزید بن ایمن عن عبادۃ مرسلۃ قالہ البخاری)) اھ۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ مرسل اھ (تہذیب ص ۳۹۸، ج ۳)

امام بخاری کا یہ ارشاد التاریخ الکبیر ص ۳۵۴ جلد ۲ قسم اول طبع حیدرآباد میں ہے۔

حضرت ابوالدرداء کی حدیث بروایت ابن ماجہ میں فنبی اللہ حی یرزق زائد ہیں۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مدرج ہیں۔ مجد بن تیمیہ نے منتقی میں اس زیادتی کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں ادراج کو بطور شبہ قبول فرمایا ہے۔ (ج ۱ ص ۵۰۹) خان صاحب بریلوی نے بھی اس زیادتی کو مدرج تسلیم کیا ہے (حاشیہ حیات الموات ص ۱۷۸) خود ابن ماجہ میں حدیث اوس بن اوس اور شداد بن اوس سے مروی ہے۔ اس میں یہ زیادتی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس کی سند کو جید کہنا تسامح سے خالی نہیں۔

برتقدیر تسلیم، یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی لیکن میں نے کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس لیے ضروری سمجھا تا کہ ان احادیث کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ جنہیں حضرات اجلہ دیوبند دلی زبان سے متواتر فرما دیتے ہیں اور مدارج النبوہ اور حافظ سیوطی کی مصنفات پر اس قدر اعتماد کیا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے متوسلین سے انتہائی

---

❶ (علل الحدیث لابن ابی حاتم ص ۱۹۷ ج ۱) ❷ (نیل ص ۳۰۴ ج ۳) ❸ (القول البدیع ص ۱۱۹)

موجب استعجاب ہے۔

ان احادیث میں ضعف اور انقطاع موجود ہے لیکن مسئلہ چونکہ درود کے فضائل کا ہے۔ اس میں حلال وحرام یا عقائد کی بحث نہیں۔ اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ ایسے ائمہ حدیث تک نے تسامح سے کام لیا ہے۔ بنا بریں تعدد طرق سے اس کی تصحیح کی گئی اور عوام میں مشہور تھے کہ فضائل میں اس قسم کی احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ اصل بھی خود محلِ نظر ہے۔

جلاء الافہام میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر طویل بحث فرمائی ہے۔ انقطاع اور تضعیف کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انقطاع کے لیے شواہد جمع فرمائے ہیں۔ گو وہ شواہد خود محلِ نظر ہیں۔ خود حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان شواہد کے متعلق بھی علل کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن یہ تمام شواہد کثرت صلوٰۃ کے متعلق جمع فرمائے گئے ہیں اور یوم الجمعہ کی تخصیص کو زیادہ تر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس حد تک کوئی حرج نہیں۔ جمعہ کے دن کثرت صلوٰۃ کے متعلق ان شواہد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

عقیدۂ حیات اور اس کے نتائج

لیکن اب مشکل یہ ہے کہ بریلوی مکتب فکر اور بعض اکابر دیوبند نے ان ضعاف اور مقطوعات سے عقیدۂ حیاتِ دنیوی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس بدعی تصور کو متواتر عقیدہ کا نام دینا شروع کیا ہے۔ اس لیے پورے یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ تعدد طرق اور شواہد کے باوجود یہ اسانید اس قابل قطعاً نہیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے۔

پھر ان طرق اور شواہد میں حیات انبیا کا ذکر نہیں بلکہ اکثر واعلی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ پر زور دیا گیا ہے۔ جن طرق اور شواہد میں حیات کا ذکر صراحۃً آیا ہے وہ کوئی بھی صحیح نہیں۔ صحیح لغیرہ احادیث سے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا' امت میں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جن اہل علم سے ان احادیث کی توثیق نقل کی جا رہی ہے ان میں کوئی دنیوی زندگی کا قائل ہے نہ ہی ان مباحث میں کسی نے اس بدعی عقیدہ کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ بحث اس مقام پر حافظ ابن القیمؒ نے فرمائی ہے۔ وہ حیاتِ دنیوی کے قائل نہیں۔ ان احادیث سے مطلق حیات کو بھی انہوں نے ثابت کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان مباحث سے اس مخترعہ عقیدہ پر استدلال تاویل بِمَا لَا يَرْضَى بِهِ الْقَائِلُ ہوں۔ جسے اہل علم و دانش نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔

حدیث نمبر ۶ صحیح ہے۔ اس میں سلام کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔ یہ حیات دنیوی کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے جس قدر جوابات دیے ہیں ان میں اکثر مناظرانہ انداز کے ہیں اور جن پر حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے کچھ اعتماد ظاہر فرمایا وہ حیات دنیوی کے خلاف ہیں۔ ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث سے متعلق صاف نہیں۔ جوابات میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔

رہا مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا ارشاد گرامی سو وہ نص حدیث کے مخالف ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک سلام کا جواب دینے کے لیے رد کی جاتی ہے۔ مولانا کے ارشاد کے مطابق رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مولانا مدنی رحمہ اللہ کے جواب سے تو حدیث کا مفہوم صاف نہیں ہوتا۔

حدیث نمبر ۷ میں اسراء کی رات کو انبیا علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں اس سے حیات دنیوی کا استخراج کیسے ہوگا۔ ائمہ سنت کے اس کے متعلق دو ہی مشہور مسلک ہیں۔ بعض اس ملاقات کو روحانی سمجھتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۵۲ پ ۱۰) میں ایک حدیث بزار اور حاکم سے منقول ہے۔

((انہ صلی فی بیت المقدس مع الملآئکۃ وانہ اتی ھناك بارواح الانبیاء فأثنوا علی اللہ۔)) اھ۔

''آنحضرت ﷺ نے بیت المقدس میں ملائکہ کو نماز پڑھائی اور وہاں انبیا علیہم السلام کی روحیں لائی گئیں۔'' دنیوی زندگی کا یہ غلط دعوی مصیبت ہوگیا ہے اور احادیث میں تطبیق ناممکن۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ برزخ میں ان ارواح کو مماثل اجسام دیے گئے اور ان اجسام نے بیت المقدس میں یا شب اسراء میں ملاقات فرمائی ان کا ذکر بھی حافظ ابن حجر فتح الباری (پ ۱۵ ص ۴۰۹ جلد ۳) میں فرماتے ہیں:

((ان ارواحھم مشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابو الوفا ابن عقیل۔)) اھ

یہ دونوں صورتیں برزخ ہی میں ہوسکتی ہیں۔ اسے دنیوی زندگی کہنا دانش مندی نہیں۔ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تصریح فرماتے ہیں۔

((لانہ بعد موتہ وان کان حیا فھی حیاۃ اخرویۃ لاتشبہ الحیاۃ الدنیا۔))

(پ ۱۶ ص ۳۶ ج ۴) اور (پ ۱۴ ص ۲۸۳ ج ۳) میں فرمایا۔ وَهٰذِهِ الْحَيَاةُ لیست

دینویۃ انما ھی اخرویۃ انتھیٰ تلخیص الحبیر ص۱۶۲ میں بیہقی سے نقل فرمایا:
الانبیاء احیاء عندربھم کالشھداء یہ عنداللہ حیات برزخی اخروی ہوسکتی ہے۔اسے
کبھی کوئی سمجھ دار دنیوی حیات تو نہیں کہہ سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی نماز، حج، ہارون یونس حضرت مسیح علیہم السلام اور دجال کا احرام یہ سب حقائق مثالی ہیں یا برزخی دنیوی تو نہیں ہوسکتیں۔آنحضرت ﷺ کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لہ ظئران تکملان رضاعہ فی الجنۃ (مشکوٰۃ ص۵۲۰) ''اس کی مدت رضاع جنت میں عورتیں پوری کریں گی۔'' آپ کے خیال سے حضرت ابراہیم کو دنیوی زندگی ملی۔ حالانکہ نہ وہ نبی ہیں نہ شہید۔اس مطلب کی بیسیوں احادیث سنت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اگر ان سے دنیوی حیات ثابت کی جائے تو پھر یوں فرمائیے کہ دنیا میں کوئی مرتا ہی نہیں۔

حدیث ۸، ۹، ۱۰ بالکل حیاتِ دنیوی کا پتہ نہیں دیتیں۔معلوم نہیں مولانا زاہد صاحب نے انہیں کیوں نقل فرمادیا۔سابقہ گزارشات کے بعد ان احادیث پر مزید گفتگو سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔

حکایات اور قصص

حضرت جعفر کی شہادت بعض ارواح کا اپنے قرضوں کے متعلق اطلاع دینا' کتاب الروح' شرح الصدور' خصائص کبریٰ وغیرہ میں اس قسم کی کئی حکایات مرقوم ہیں۔اولاً یہ قصے شرعاً حجت نہیں۔ثانیاً عقائد کے لیے یہ دلائل قطعاً قابل اطمینان نہیں۔ثالثاً' اس سے حیاتِ روح اور ان کی نقل وحرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔حیات جسمانی یا حیاتِ دنیوی ان سے ثابت نہیں ہوتی رابعاً: خواب اور کشوف کا ظہور جب غیر نبی سے ہوتو صاحب کشف ممکن ہے اس پر یقین کرلے۔ عامۃ المسلمین اس کے پابند نہیں واقعۂ حرہ میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا مسجد نبوی میں اذان سننا مدعا کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔سعید بن مسیب آنحضرت ﷺ کی آواز نہیں پہچانتے تھے ممکن ہے یہ آواز کسی پاک باز جن یا فرشتہ کی ہو۔اس سے آنحضرت ﷺ کی دنیوی زندگی کیسے ثابت ہوئی؟

ابن القاسم رحمہ اللہ سے مولانا نے انسان کے چار دور ذکر فرمائے ہیں۔رحم' دنیا' برزخ' آخرت۔ہر دوسرا دور پہلے سے بہتر اور اس وسعت پر غور فرمائیے۔یہ دلیل آپ کے خلاف ہے یا

آپ کے موافق' جب برزخ میں وسعت ہے اور یہ دور دنیا سے بہتر ہے تو فرمایئے آپ آنحضرت ﷺ کو برزخ سے دنیوی زندگی میں لانے کی کیوں کوشش فرماتے ہیں؟ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے۔

خان صاحب بریلوی اور ان کے اتباع عقل اور علم سے بے نیاز ہیں لیکن آپ حضرات غور فرمائیں اہل توحید تو علم وعقل سے خالی نہیں ہوتے؟ **ان فی ذالک لایات لاولی النھی**

مضمون کے بعض حصص پر مزید لکھا جا سکتا ہے۔ میرا مقصد بحث ومناظرہ نہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بیرونی حضرات ان کے متعلق اظہار رائے کی کوشش نہ فرمائیں۔ یہاں کا ماحول یہاں کے اہل علم بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ لادینی حالات پیدا کرنے کے لیے جو حالات پیدا کیے جا رہے ہیں شاید آپ حضرات ان سے ناواقف ہیں۔ اس لیے مناسب نہ ہوگا کہ مستقبل کی ذمہ داری آپ حضرات پر عائد کی جائے اور آپ کے ان مکاتیب اور خطابات سے غلط فائدہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لیے کچھ کر سکیں۔ قادیانیت' رفض اور بدعت جن چور دروازوں سے آ رہی ہیں ہم ان ابواب کے کھولنے کا سبب نہ بنیں۔

مندرجات رسالہ ''حیات النبی'' پر ایک سرسری نظر

مجلّہ ''دارالعلوم'' دیوبند کے مضمون ''حیات النبی'' سے متعلق میں اپنی تنقیدی گزارشات ''رحیق'' میں اشاعت کے لیے دے چکا تھا۔ اتفاقاً رسالہ ''حیات النبی'' مولفہ مولانا اخلاق حسین ملا۔ جس کا پیش لفظ مولانا سید ابوذر بخاری نے لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں جوانی کے جوش کے سوا کچھ نہیں اور بات یہ ہے کہ جہاں دلائل بالکلیہ ناپید اور نصوص صراحۃً خلاف ہوں۔ وہاں مکتب خیال کی دہائی اور کھینچا تانی کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ یہی ہو سکتا ہے کہ نوجوان مل کر زور لگائیں۔ زبان کی طاقت اور قوت بازو سے نصوص کو پھیرنے کی کوشش کریں۔ اس سے کم از کم تھوڑی دیر تک اذہان کا رخ پھیر لیں گے اور مکتب خیال کے بزرگوں کی رفعت شان کا واسطہ دے کر گرتی دیوار کو تھوڑی دیر کے لیے سنبھالا دے دیں۔ مولانا اخلاق حسین اور ابوذر صاحب نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔ اس لیے مجھے اس رسالہ کے ابتدائی حصہ کے متعلق کچھ بھی گزارش کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ مجھے یہ رسالہ کوشش کے باوجود نہ مل سکا۔ مگر پیشِ نظر رسالہ کے صفحہ

۱۸ پر حضرت مولانا قاسم رحمہ اللہ کے رسالہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمالیں۔ مولانا کے رسالہ کا نام ''آب حیات'' ہے۔ یہ اقتباس صفحہ ۲۳۲ سے لیا گیا ہے۔ مولانا نے اسی حدیث **یرد اللّٰہ علی روحی** کی توجیہ فرمانے کی کوشش فرمائی۔ یہ حدیث چونکہ دیوبندی مکتبِ خیال کے خلاف ہے اس لیے اس کی تاویل فرمائی گئی ہے کہ یہ راستہ سے ہٹ جائے۔ حضرت کا ارشاد روح پرفتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جونسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازمی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔

حضرت مولانا کی جلالتِ قدر' دقتِ نظر' وسعتِ معلومات' تقوی للّٰہیت معلوم اور مسلم ہے۔ قلم لرزتا ہے کہ مجھ ایسا کم سواد علم وحکمت کے سمندر کے خلاف تنقید کا انداز اختیار کرے لیکن اس کا کیا جائے کہ بحمداللہ ذہن میں تقلید وجمود کے جراثیم نہیں ہیں اور آنحضرت ﷺ فداہ ابی وامی کے بعد یقین سے کوئی معصوم نہیں' اس لیے سوچتا ہوں کہ اس مختصر سے اقتباس میں ہے کیا۔ اتنے بڑے متبحر فاضل نے افسوس ہے کوئی دلیل نہیں دی اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں لکھ سکے جو ذہن کو اپیل کرے اور یہ مصیبت اس لیے پیش آئی کہ ان حضرات نے ایک غلط نظریہ اپنا لیا کہ انبیا کی حیات برزخی نہیں جسمانی اور دنیوی ہے' حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

① ''مجازات کی زبان میں روح کو جسے قرآن نے امر فرمایا مرکب تصور کیا۔ ② پھر شعب لامتناہی تصور فرمایا۔ ③ پھر اس مرکب کے اجزاء سے ہر ایک کی توجہ مختلف سمتوں میں منقسم ہوسکتی ہے۔ پھر انقسامِ توجہ کے باوجود استغراق پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ روح عام ارواح کے لیے اور مومنین کی ارواح کے لیے منبع ہے' یعنی مسلم اور غیر مسلم ارواح کا انشعاب اسی روح سے ہوتا ہے اور مومنین کی ارواح کو آنحضرت ﷺ کی روح پرفتوح سے خاص نسبت اور تعلق ہے۔''

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی کا اقتباس آپ کے سامنے ہے۔ بظاہر اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ مجاز واستعارات کے انداز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتاب وسنت سے کوئی نص یا اشارہ حضرت نے اپنے اس فکر کی تائید میں ذکر نہیں فرمایا۔

قرآن عزیز نے روح کے تذکرہ میں جامع اور مناسب راہنمائی فرمائی ہے۔

((قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلًا۔))

ذرا غور کر لیا ہوتا کہ امر کی تفصیلات میں جانا اس کے غیر متناہی شعب کا تذکرہ ہوتا تو قرآن اسے ضرور بیان فرما دیتا۔ مولوی اخلاق حسین صاحب نے صفحہ ۷۱ پر زاد المعاد سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے۔ اس کا اور مولانا کے اقتباس کا موازنہ فرمائیے۔ حافظ رحمہ اللہ کا ارشاد کس قدر اقرب الی السنۃ ہے اور احادیث میں تطبیق کے لیے کس قدر موزوں اور مناسب۔ ادھر مولانا قاسم کی منطق ملاحظہ فرمائیے۔ وہ قطعی بے جان ہے۔ الفاظ کی شعبدہ بازی سے زیادہ اس میں کچھ نہیں اور حدیث یَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ کو سامنے رکھا جائے تو پوری تقریر کی حیثیت ہوائی سی ہو جاتی ہے اور حدیث کے الفاظ سے بالکل الگ اور مختلف!

بریلوی علم کلام

ہم نے بریلوی علم کے تین اصول سمجھے ہیں۔ اول مخالف کو پیٹ بھر کے گالیاں دینا' دوم جہاں تک ممکن ہو اس پر جھوٹی تہمتیں تراشتے جانا تاکہ بے چارا الزامات کا جواب دیتے ہی تھک جائے۔ سوم جس بدعت کی ترویج مقصود ہو اس کے ساتھ ''شریف'' کے لفظ کا اضافہ' گیارہویں شریف' میلاد شریف۔ چہلم شریف جو بستی بدعت اور شرک کا مرکز ہو اس کے ساتھ ''شریف'' لگا دو۔ جتنا بڑا پاپی اور مہا مشرک ہو اس کے نام کے ساتھ جھوٹے خطابات کا ایک طویل سلسلہ ضم کر دو عوام حق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ بدعت اور اہل بدعت کو پسند کرنے لگیں گے۔

اخوانِ دیوبند

حضرات دیوبند پہلی دو بیماریوں سے قریباً محفوظ ہیں۔ گالیاں نہیں دیتے' جھوٹ نہیں بولتے' لیکن اکابر کے محاسن میں غلط مبالغہ اور بے ضرورت غلو' اساتذہ کی تقدیس بانداز عظمت یہاں بھی موجود ہے اور بدرجہ اتم۔ آپ نے مولانا قاسم رحمہ اللہ کا اقتباس پڑھ لیا اور اب مبالغہ آمیزی ملاحظہ فرمائیے۔

> ''آب حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درساً درساً پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں۔ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انہوں نے بایں ذہن ذکا فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے۔''

آپ نے اقتباس ملاحظہ فرمالیا۔ اردو میں ہے اس میں کوئی اغلاق اور گہرائی بھی نہیں۔ لیکن میں مولانا طیب صاحب کی یہ غلو آمیزی پہلے دیکھ لیتا تو شائد میں بھی آنکھیں ملنے لگتا کہ شاید یہاں کوئی شیر سو رہا ہو۔ رواۃ کی ثقاہت میں شبہ نہیں لیکن جب اسے واقعہ پر عرض کیا جائے تو ذہن میں کشمکش سی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ اکابر کیا فرما رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی مقامِ کتاب دقیق ہو جس کے لیے شیخ الہند نے استاد محترم کی طرف رجوع فرمایا ہو مگر پوری کتاب درساً پڑھنا بڑی عجیب بات ہے۔

ہماری رائے تو یہ ہے کہ یہ بریلوی علم کلام کا ۱/۳ حصہ ہے جو حضرات دیوبند کو ورثہ میں ملا ہے اور اسی مبالغہ آمیزی کی بنا پر یہ غلط نظریہ کہ "انبیا علیہم السلام کی حیات دنیوی" ہے۔ دیوبندی مکتب خیال میں چل نکلا ہے۔ ہمارے دیوبندی نوجوان اساتذہ کے ان ارشادات کو چھوئی موئی سمجھتے ہیں اور ان کے حسن و قبح کا تجزیہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ۝ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ [سورۃ الزمر آیت ۱۸]

احباب کرام! علم و دانش کی راہ یکسر اس سے مختلف ہے۔ اساتذہ کا احترام دوسری چیز ہے اور علم و دانش سے صرف نظر بالکل دوسرا امر۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کرام کا اسوۂ آپ کے سامنے ہے کہ احترام اور اختلاف بیک وقت چل رہے ہیں۔ نہ اختلاف اظہار حق سے مانع ہے اور نہ اظہارِ حق ادب و احترام کی راہ میں حائل۔۔۔ اظہار حق کے جذبہ کو ادب و احترام میں اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ سینکڑوں مسائل میں اختلاف کے باوجود استاد کی جبین احترام پر شکن کے آثار تک پیدا نہیں ہوتے ہیں اور تلامذہ کے مزاج میں ادنیٰ سا تکدر رونما ہوتا ہے نہ ہی طرفین میں مبالغہ آمیز تمادح کی کبھی نوبت آئی۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ.

اُولئک ابائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس کے بعد مولانا طیب صاحب کا ایک طویل خط مولانا اخلاق حسین صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک غیر مفید بحث میں ناظرین کا وقت ضائع ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی فصوص الحکم یا فتوحات کے انداز کی ایک مستقل تقریر یا نظریہ ہے جس سے حدیث کے الفاظ کی روشنی میں حدیث کا حل نہیں ہوتا۔ پھر حضرت مولانا طیب

صاحب کی تشریح، حضرت نانوتوی کے ارشاد سے چنداں متعلق بھی نہیں۔ اپنی جگہ کچھ خیالات ہیں جن کی پیدائش کا ذمہ دار مولانا کا ذہن ہے۔ جو تلامذہ اور معتقدین کی محفل میں کہنے کے لیے ایک اچھی چیز ہے۔ دلائل و براہین کے معیار پر اس کا اترنا مشکل ہے۔ ایک مستقل سی تقریر ہے۔ اس سے نہ حدیث کے حل میں مدد ملتی ہے۔ نہ مولانا نانوتویؒ کے ارشادات پر تشریحی روشنی اس سے پڑتی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نانوتویؒ کے ارشادات کو ابن قیمؒ کے ارشاد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعض کشوف سے ضم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اسے ناتمام کہنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو کل ارواح باقیہ اور خصوصاً مومنین کی اصل تصور فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحب آنحضرت ﷺ کو ''حقیقی مومن'' فرما کر اس کے عموم کو ختم فرماتے ہیں اور اہل ایمان کی تخصیص کی ترجمانی اس انداز سے فرماتے ہیں گویا روح اور ایمان بالکل مترادف ہیں۔ اصطلاح کا حق ہر ایک کو ہے ہم اسے روک نہیں سکتے۔ لیکن ارباب علم غور فرمائیں کہ اس سے کس قدر خبط ہوگا اور پرویز وخلیفہ عبدالحکیم کو اصطلاحات کی تخریب سے روکنا کتنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے لوگوں سے گفتگو ان کی زبان میں کی جائے جس طرح ابن القیمؒ نے کی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے سورج اور اس کی دھوپ کو تمثیلی انداز میں بہت طول دیا ہے لیکن یہ کوشش بھی اس لیے ناتمام ہے کہ رَدَّاللّٰهُ عَلَىَّ رُوْحِي 'میں لفظ ''رد'' کا تقاضا اس سے پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طول سے ذہن میں خبط ضرور ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تقریر آنحضرت ﷺ کی اطاعت کے وجوب کے متعلق کی جاتی اور متصوفانہ اور فقہی جمود پر اس سے پابندی لگائی جاتی تو بہت مناسب ہوتا۔ حدیث کے فہم کے لیے تو اس تقریر کے ہوتے ہوئے تو یہ لفظ حدیث سے نکالنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث سے مخلصی کی ایک اور راہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے رواۃ میں ابوصخر حمید بن زیاد ہیں۔ مسلم نے اس کی متابعت کے طور پر روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے اسے بعض اوقات ضعیف کہا ہے اس سے بعض منکرات بھی مروی ہیں۔ حدیث پر جرح کر کے مخلصی ہو سکتی ہے۔ حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد یہ اصطلاحات کی ہیرا پھیری بے دین اور اہل بدعت کے لیے غلط راستہ کھول دے گی اور اس کی ذمہ داری اہل علم پر ہوگی۔

یا پھر وہی عام اہل سنت کی راہ کہ حیات برزخی ہے اور یہ دنیوی موت کے ساتھ جمع ہو سکتی

ہے ان دونوں میں تضاد نہیں۔ اہل تحقیق اور ہمارے اکابر کی بھی یہی راہ ہے۔

قاری صاحب نے استغراق کی بھی کئی صورتیں بنا دی ہیں۔ فی ذاتہ ﷺ استغراق فی ارواح الامت، استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ روح کا معاملہ جب ہمارے فہم وفراست سے بالا ہے تو پھر ان تکلفات سے کوئی فائدہ نہیں۔ ظاہر الفاظ سے فرار آپ ایسے حدیث کے ماننے والوں کے لیے قطعاً مناسب نہیں۔ یہ ابن عربی اور ابن سعید کے انداز کا کشفی تصوف امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے زہد وورع کے مطابق نہیں کہا جاسکتا۔۔۔ حضرت قاری صاحب کا پورا خط خطابی انداز کا ہے۔ یہی حال مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے اقتباس کا ہے۔

اگر پاکستان میں اہل بدعت ان تمویہات اور الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر اہل توحید کو دق نہ کرتے تو ان تلخ گزارشات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دور افتادہ مساکین پر آپ حضرات کسی اچھے طریق سے کرم فرمائیں تو ہم ممنون ہوں گے جو انداز اب تک اختیار فرمایا گیا ہے قابل شکایت ہے۔

شکوت وما الشکوی لمثلی عادۃ
ولکن یفیض الکأس عند امتلاء ھا

ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرات سے توحید وسنت کی بات سنیں۔ ائمہ سلف اور ان کے اعتصام بالسنۃ کے قصے سنیں۔ یہ جنس جو دار العلوم لا رہا ہے پاکستان میں ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آپ حضرات کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کی رضا مندی کے لیے کوئی اور راہ اختیار فرمائیے۔

دوردستاں را بہ نعمت یاد کردن ہمہ است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمرے افگند

قاری صاحب کے مکتوب گرامی کے بہت سے حصوں پر میں نے گزارشات نہیں کیں ورنہ اس پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

چند شبہات کا حل

آج سے چند ماہ پہلے اس موضوع پر چند گزارشات ''مجلہ رحیق'' میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ بریلوی حضرات کے خیالات اس موضوع پر معلوم ہیں۔ مولانا احمد رضا صاحب نے فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد میں انبیاعلیہم السلام کی زندگی کو جسمانی اور دنیوی قرار دیا ہے۔ لیکن ان حضرات کے خیالات عموماً دلائل کے بجائے جذبات پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے علمی حلقوں میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب جب اس قسم کے مسائل پر لکھتے ہیں تو استدلال کے بجائے مخالف پر طعن و تشنیع اور الزامات سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ مثبت طریق پر بہت کم لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم و نظر کے حلقوں میں ان بزرگوں کے ارشادات کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی۔ حضرات علمائے دیوبند کا مقام اس سے بالکل مختلف ہے ان میں محقق اہل نظر ہیں۔ دلائل پر ان کی نظر ہے۔ اپنے مسلک کی حمایت میں ان کا مدار جذبات پر نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے تعجب ہوا کہ مسئلہ حیاتِ انبیا علیہ السلام میں حضرت مولانا حسین احمد رحمہ اللہ ' حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ صاحب نانوتوی اور بعض دوسرے اکابر دیوبند کی بھی تقریباً وہی رائے تھی جو مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تھی۔

پھر مزید تعجب ہوا کہ بعض حضرات نے حیات انبیا کی اس صورت کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ تحقیق اور انصاف دونوں کے منافی ہے بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اجلہ دیوبند بھی اس مسئلہ میں ان حضرات سے متفق نہیں۔ میری گزارشات شائع ہونے کے بعد ان گزارشات کی تائید بعض دیوبندی جرائد نے بھی فرمائی۔ [1]

جن احباب نے اختلاف فرمایا وہ بھی دلائل اور تحقیق کی بنا پر نہیں' بلکہ اساتذہ کی جلالتِ قدر پر اعتماد اور جمود کی بنا پر فرمایا۔ اس کے باوجود انہی بزرگوں کے ذوق علم و تحقیق کی بنا پر پہلے بھی چند پریشان خیالات مقتدر مجلہ ''رحیق'' کی نذر ہوئے اور آج کی صحبت میں جو عرض ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے۔ ائمۂ سنت اور اہلِ تحقیق اکابر کی روش کے پیشِ نظر ان مسائل پر غور فرمایا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے ابناء و احفاد کے ساتھ محبت اور ان کے تحقیقی

---

[1] ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند (جولائی و اگست ۱۹۵۸ء) جس کا وہ مقالہ آئندہ صفحات میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

مسائل سے استفادہ میں اہل حدیث کسی سے پیچھے نہیں۔ **وما من احد الا ویؤخذ من قوله ویرد علیه** (امام مالک رحمہ اللہ) کے کلیہ سے انبیاء علیہم السلام کے بعد کوئی مستثنیٰ نہیں۔ تاہم شاہ صاحب اور ان کے ابنائے کرام کی علمی تحقیقات کے سامنے پیشانیاں جھکتی ہیں۔

((رحمهم الله وجعل الله الجنة مثوٰهم.))

دیوبند کے علمی اقتدار اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رفعت مقام کی بنا پر جب کوئی مسئلہ ان حضرات کی طرف سے آئے تو اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں' جو احادیث اس باب میں آئی ہیں ان کے متون و اسانید' ائمۂ حدیث کے آراء و افکار اور محققین کے ارشادات کی روشنی میں جو مواد میسر آسکا اس کا تذکرہ ''رحیق'' کے صفحات میں آچکا ہے۔

آبِ حیات

حال ہی میں برادر محترم حضرت مولانا محمد چراغ صاحب کی عنایت سے حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی ''آب حیات'' دیکھنے کا موقع ملا۔۔۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے علم اور جلالت قدر کا پہلے بھی یقین تھا' ''آب حیات'' دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہوا۔ ان کی جلالتِ قدر کے باوجود بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ''آب حیات'' کا انداز تحقیق سے زیادہ تاویل پر مبنی ہے۔ مولانا مغفور نے یہ کتاب وراثتِ نبوی ﷺ کے متعلق شیعہ نقطۂ نظر کے جواب میں لکھی ہے اور شیعی شبہات سے مخلصی کے لیے یہ مناظرانہ راہ اختیار فرمائی کہ آنحضرت ﷺ جسمانی طور پر زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی دنیوی زندگی ہے۔ اس لیے تقسیم وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مناظرانہ راہ ہے اس سے وہ نصوص حل نہیں ہوتے جن میں آنحضرت ﷺ کی وفات، دفن اور اس دنیا سے انتقال کا صریح تذکرہ موجود ہے۔۔۔ قرآن کی صراحت **انک میت وانهم میتون**۔ اور احادیث میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کی تفصیلات' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ' صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع' امہات المومنینؓ کا سوگ ایسی چیزیں نہیں ہیں جنہیں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی جلالت کی وجہ سے نظر انداز کردیا جائے۔

خود اکابر دیوبند یا ان کی اکثریت ان بزرگوں سے اس عقیدہ میں متفق نہیں۔ اس کی حقیقت ایک صوفیانہ تخیل سے زیادہ کچھ نہیں۔ نصوص حدیثیہ کی ظاہری تعبیرات اس کے خلاف ہیں۔ تقلیدی جمود کی ذمہ داری تو یقیناً نہیں لی جاسکتی۔ لیکن بصیرت دینی ان تاویلات کے قبول

کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے ابنائے دیوبند سے ادباً گزارش ہے کہ اکابرِ دیوبند بے شک قابلِ احترام ہیں لیکن وہ اپنے وقت کے ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ نہیں ہیں کہ ان کی ہر تقلید مان لی جائے۔ اس لیے گزارش ہے کہ جمود سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ کتاب وسنت موجود ہے اور ائمۂ سلف کی تصریحات بھی موجود ہیں۔ ولا قول لاحد مع اللہ ورسولہ.

حیات النبی اور اہل حدیث

مجھے خوشی ہے کہ اکابر اہل حدیث میں کسی سے اس قسم کی لغزش نہیں ہوئی۔ ہمارے اکابر سے غزنوی خاندان کو تصوف سے جو شغف رہا ہے وہ بحث و دلیل کا محتاج نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے ابنائے کرام اور تلامذۂ عظام سے کوئی بھی اس قسم کے اعتقادی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ ۔ حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے علوم سے جن لوگوں نے حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے توسط سے استفادہ فرمایا ہے وہ اس قسم کی خوش اعتقادی سے محفوظ رہے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے علمائے یمن سے علومِ سنت کا استفادہ فرمایا ہے۔ وہ بھی ان کمزور اور دور از کار تاویلات سے محفوظ رہے ہیں اور یہ ساری برکت اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں طریق تقلیدی جمود سے پاک ہیں۔ ان میں اساتذہ کا ادب تو یقیناً ہے لیکن جمود اور تقلید نہیں ۔۔۔ یہی محدثین کی اصل راہ ہے ۔۔۔ جب سے محققانہ تنقید کو بے ادبی کہا جانے لگا۔ اس وقت سے جمود نے عقل وفکر کی راہوں کو مسدود کرنا شروع کر دیا اور دماغوں نے سوچنا ترک کر دیا۔

میری گزارشات

میری گزارشات میں ان اساطین علم کے ارشادات پر حدودِ ادب کے اندر رہتے ہوئے تنقید تھی۔ اگر یہ مسئلہ صرف بریلی کی راہ سے آتا تو میں اس پر ایک حرف بھی لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ نہ وہ حضرات سوچنے کے عادی ہیں نہ ان کا علمی حلقوں میں کوئی اثر ہے۔

حضرات اکابر دیوبند کے علمی احترام کے وسیع اثر نے مجبور کیا کہ ان کے ارشادات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ طلبا علمی تنقید اور بحث و نظر کی عادت سیکھیں ۔۔۔ ان گزارشات کا مختلف حلقوں میں عجیب اثر ہوا۔ بعض حلقوں نے اسے بے حد پسند کیا' گویا وقت کی یہ ایک

ضرورت تھی۔ اس وقت تک پاک و ہند کے کئی جرائد میں وہ مضمون شائع ہو رہا ہے۔
بعض حلقوں نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور اسے حضرات اکابر دیوبند کی بے ادبی پر محمول فرمایا: **اعاذنی اللہ عن ذلک.**
بعض نے اس پر جزدی اور معمولی تنقید فرمائی' اور توجہ دلائی کہ معتدل بسط کے باوجود اس پر تشنگی ہے۔ بعض گوشے مجمل ہیں ضرورت ہے کہ ان کی مزید وضاحت کی جائے۔
بعض کا خیال ہے کہ مسئلہ اساسی طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں پورے موضوع پر نظر ثانی کی جائے۔ جو خطوط بذریعہ ڈاک موصول ہوئے ان میں بھی یہی کیفیت موجود تھی۔

منشی محمد شفیع صاحب کا نظریہ

چنانچہ ہمارے محترم دوست منشی محمد شفیع صاحب لاہوری (جو مشرباً دیوبندی)، طبعاً حق پسند اور بحث ونظر' تحقیق وتنقید کے عادی ہیں' نے توجہ دلائی کہ مسئلہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں ان پر مزید غور ہونا چاہیے۔
میں نے اپنی گزارشات میں عرض کیا تھا کہ حیات انبیا علیہم السلام پر اجماع امت ہے گو احادیث کی صحت محلِ نظر ہے تاہم ان کا مفاد یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ **ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء .** ❶
منشی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلیہ صحیح نہیں کہ تمام انبیا علیہم السلاَم کے اجسام خاک پر حرام ہیں بعض انبیا علیہم السلام کے متعلق معلوم ہے کہ ان کے اجسام میں مٹی نے تصرف کیا چنانچہ حافظ نورالدین ہیثمی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۷۰' ۱۷۱ میں ابویعلی اور طبرانی سے بروایت حضرت ابوموسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل فرمایا ہے۔

((فقال علماء بنی اسرائیل ان یوسف لما حضره الموت اخذ علینا موثقاً من اللہ ان لاتخرج من مصرحتی ننقل عظامه (الی ان قال) فلما احتفروا اخرجوا عظام یوسف۔))

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں الفاظ کی ترکیب اس طرح ہے۔

---

❶ (ابن ماجہ ص ۷۷'۱۱۹، ترغیب منذری ص ۱۱ جلد ۲)

((قال له انك عند قبر يوسف عليه السلام فاحتمل عظامه وقد استوى القبر بالارض (الى ان قال) فاخرج العظام و جاوز البحر۔)) ❶

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے۔ جب تشویش ہوئی تو علمائے بنی اسرائیل نے فرمایا' یوسف علیہ السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہڈیاں نکال لیں اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ (ملخصا)

منشی صاحب کا خیال ہے کہ جسم اطہر کی حفاظت میں جو احادیث آئی ہیں وہ درست نہیں لیکن ابویعلی کی روایت صحیح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں موسیٰ علیہ السلام ہمراہ لے گئے' منشی صاحب کا خیال ہے کہ یوسف علیہ السلام کی اس وقت صرف ہڈیاں تھیں گوشت اور پوست نہیں تھا۔

حافظ ہیثمی نے ابویعلی کی روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ:

((رجال ابی یعلی رجال الصحیح وهذا الذی حملنی عن سیاقها)) ❷

''ابویعلی کے رجال صحیح رجال ہیں اسی لیے میں نے اس حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔''

طبرانی کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

((رواه الطبرانی فی الاوسط وفیه من لم اعرفهم۔))

(ص ۱۷۱۔طبرانی کی روایت کے راوی غیر معروف ہیں)

منشی صاحب نے اس مفہوم کا ایک حوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد اول ص ۲۷۵ سے بھی نقل فرمایا ہے۔

((ولما خرجوا من مصر اخرجوا معهم تابوت یوسف علیه السلام۔ ۱ ھ))

''یعنی جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔''

منشی صاحب کی تائید میں ایک حوالہ ابن خلدون جلد اص ۱۳۱ میں بھی ملتا ہے:

((لما فتح یوشع مدینة اریحاء سار الی نابلس فملکها و دفن هنالك شلو یوسف علیه السلام و کانوا حملوه معهم عند خروجهم من مصر وقد ذکرنا انه کان اوصی بذلك عند موته۔)) اھ۔

❶ (ص ۱۷۱ جلد ۱۰ مجمع الزوائد)
❷ (ص ۱۷۱ مجمع الزوائد جلد ۱۰)

''حضرت یوشع نے اریحا کے بعد جب نابلس پر قبضہ کیا تو یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں ان کی وصیت کے مطابق وہاں دفن کر دیں۔ یہ ہڈیاں مصر سے نکلتے وقت وہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔'' ان حوالوں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام کے متعلق یہ کلیہ درست نہیں۔ بعض انبیا علیہم السلام اس سے مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔''

اہل علم کا فرض ہے کہ ان نصوص میں غور فرمائیں اور اس میں بظاہر تعارض میں ترجیح یا تطبیق کی کوشش فرمائیں۔ متوسلین دیوبند سے خصوصی گزارش ہے کہ وہ اپنے اکابرین مسلک کی ان تصریحات کو تحقیق کی روشنی میں ثابت فرمائیں۔ مسائل عصبیت یا ناراضگی سے حل نہیں ہوتے اور نہ عقیدت مفرطہ دلائل اور براہین کا بدل ہی ہو سکتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان متعارض دلائل کا اثر حیات برزخی پر نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال ثابت ہے۔ عذاب و ثواب قبر کی احادیث کے ہوتے ہوئے قبر میں زندگی کی کوئی صورت تو یقیناً ہوگی۔ مشکلات حیات نوعی میں ہیں۔ خصوصاً جب اسے جسمانی دنیوی سمجھا جائے۔ بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قبر میں بظاہر بعض تکلیفات شرعیہ کا بھی صلحائے امت کو مکلف سمجھتے ہیں۔ ازدواجی تعلقات کی کہانیاں بھی ان کے ہاں مروج اور متعارف ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حیات شہدا کے سلسلہ میں انواع حیات کے متعلق کافی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ محترم مفتی محمد شفیع صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیا علیہم السلام کے لیے برزخی زندگی تو مانتے ہیں لیکن وہ اس زندگی کے لیے نہ جسم کو ضرورت سمجھتے ہیں نہ اس کے لیے دنیوی زندگی کے لوازم کی ضرورت ہی محسوس فرماتے ہیں۔

مفتی صاحب کے دلائل کا تجزیہ

اس میں شک نہیں کہ دلائل میں ایسا باور کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر حیات کا جسمانی اور دنیوی تصور قبول کیا جا سکتا ہے تو مفتی صاحب کے تصور کی راہ میں کون سا مانع حاصل ہو سکتا ہے لیکن میری رائے میں مفتی صاحب کے دلائل کئی وجوہ سے کمزور اور مرجوح معلوم ہوتے ہیں۔

(۱)۔ حدیث: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

''اللہ تعالیٰ نے مٹی پر انبیاء کے اجسام حرام فرما دیے ہیں۔''

گو بلحاظ سند صحیح نہیں۔ تاہم اصول ستہ کو جو فوقیت طبرانی اور ابو یعلیٰ پر ہے اسے نظر انداز

نہیں کیا جا سکتا۔ اصول ستہ کو بحیثیت مجموعی طبرانی وغیرہ پر برتری حاصل ہے۔ چوتھے درجہ کی کتابوں سے استدلال فحول ائمۂ حدیث تنقید اور تحقیق کے بعد کرتے ہیں یا پھر اہلِ بدعت جن کے ہاں اصل چیز اپنی بدعت کی تائید ہے۔ دلائل کی پختگی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ (حجۃ اللہ)

(۲) حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں صرف زوائد جمع کرنے کا ذمہ لیا ہے تا کہ ایک مواد اہل علم کے سامنے آ جائے۔ وہ ان زیادات پر بالاستیعاب کلام نہیں فرماتے اور نہ ہی جرح وقدح کی تفصیلات ہی میں جاتے ہیں۔

(۳) ابو یعلیٰ کی روایت میں انہوں نے فرمایا ہے۔ رجالہ رجال الصحیح. اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند کے رجال پر اصحاب الصحیح نے اعتماد فرمایا ہے لیکن حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی نہیں۔ امام مسلم نے شواہد میں ایسے رجال سے روایت کی ہے جن میں ائمہ حدیث کو کلام ہے۔ اس کا تذکرہ انہوں نے مقدمہ مسلم میں بھی فرمایا ہے۔

(۴) پھر ثقاہت رجال کے علاوہ تصحیح حدیث کے لیے اور بھی شروط ہیں۔ مراسیل اور مقطوعات میں ثقاہت رجال کے باوجود حدیث کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ راوی اور روایت کی شرائط کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۵) طبرانی کی روایت کے متعلق حافظ ہیثمی فرماتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ من لم اعرفھم. غیر معروف رجال سے جو روایت مروی ہے اس کی صحت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس قسم کی ضعیف روایات کے بالمقابل تو ابن ماجہ کی روایت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کو ضعف کے باوجود جمہور امت نے قبول فرمایا ہے۔ اس لیے اسے طبرانی اور ابو یعلیٰ کی ضعیف روایات پر ترجیح ہوگی.

لتلقی الامة مفهومها بالقبول.

قرائن کا تقاضا یہی ہے کہ ابن ماجہ کی روایت کو ترجیح دی جائے اور برزخی زندگی کے ساتھ جسم کی سلامتی کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔

(۶) پھر ابن ماجہ کی روایت کو علی علاقہا تسلیم کر لینے سے تعارض بھی اٹھ سکتا ہے۔ ابو یعلیٰ اور طبرانی کی روایت میں عظام سے مقصد حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کی نعش مبارک مراد ہو جیسے کہ البدایہ والنہایہ جلد اص ۲۷۵ میں اخرجوا معھم تابوتہ مرقوم ہے۔

عظام کی تابوت اور تابوت کی عظام سے تعبیر میں استبعاد نہیں۔ ایسے مقام پر عظام سے جسم مراد لینا متعارف ہے۔

قرآن حکیم نے منکرین حشر کا عقیدہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

مَنۡ يُحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا)

معلوم ہوا کہ کفار حشر اجساد کے منکر تھے۔ حشر عظام پر استعجاب اسی حقیقت کی تعبیر ہے۔ مقصود یہی ہے۔ **من یحیی الاجسام البالیہ حدیث من فاحتمل عظامه.** سے مراد احتمل جسمہ ہی ہونا چاہیے اس مفہوم کے بعد احادیث میں تعارض اٹھ جاتا ہے۔ میری دانست میں وہی مسلک صحیح ہے جسے ائمہ سنت وحدیث نے قبول فرمایا ہے۔

(۷) ابن خلدون کا حوالہ اور بھی محل نظر ہے کیونکہ مصر سے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک بادیہ تیہ میں اقامت پذیر رہے۔ کوشش اور انتہائی آرزو کے باوجود بنی اسرائیل کسی ہمسایہ ملک پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال اسی اثنا میں ہوا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت یوشع بن نون کے سپرد ہوئی۔ حضرت یوشع نے اریحا اور نابلس کے علاقے فتح کیے۔ خیال ہے کہ اس اثنا میں برسوں گزر گئے ہوں گے۔ ابن خلدون نے بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

((واخرجوا معھم تابوت یوسف علیه السلام)) [1]

تابوت اور شلوا ابن خلدون نے دونوں استعمال کیے ہیں۔ مسعودی نے ایک روایت میں تابوت کی شکل بھی بتائی ہے۔ (ص ۴۷ جلد ۱)

((قبض الله یوسف بمصر وله مائة وعشرون سنة وجعل فی تابوت الرخام وسد بالرصاص وطلی بالاخیة النافعة للهواء والماء۔))

”حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے سفید پتھر کا تابوت بنایا گیا اور ہوا اور پانی کی بندش کا پورا انتظام کیا گیا۔“

معلوم نہیں اس وقفہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عظام یا تابوت کو وادی ”تیہ“ میں دفن کیا گیا اور دوبارہ نکال کر حسب وصیت نابلس میں دفن کیا گیا۔ تفصیلات کے لیے تاریخ خاموش ہے اور جو مواد ملتا ہے وہ قریباً اسرائیلی روایات ہیں جن کی بنا پر ترجیح دینا مشکل ہے جمہور امت

[1] (ص ۱۲۳ جلد ۱)

نے جو رائے قبول کی ہے۔ روایات میں ضعف کے باوجود وہی راجح معلوم ہوتی ہے۔ سارے واقعات اخباری انداز کے ہیں۔ ان کا انداز احادیث اور محدثین کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

(۸) ابوالقاسم سہیلی بعض شہدائے احد اور صلحا کے اجسام کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ کئی سال کے بعد اپنی قبروں سے صحیح سالم برآمد ہوئے اور دوسری جگہ دفن کیے گئے' اس کے بعد فرماتے ہیں:

والاخبار بذلک صحیحة (روض الانف ص ۳۴ جلد ا)

پھر فرماتے ہیں:

((قال علیه السلام ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اخرجه سلیمان بن اشعث وذکر ابوجعفر الداودی فی کتاب التاسی هذا الحدیث بزیادة وذکر الشهداء والعلماء والموذنین وهی زیادة غریبة لم تقع (لی) فی مسند غیر ان الداودی من اهل الثقة والعلم)) اھ الخ

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے اجسام زمین پر حرام فرما دیے ہیں۔ سلیمان بن اشعث نے اسے تخریج فرمایا ہے۔ ابوجعفر داؤدی نے اس حدیث میں شہدا' علما اور موذنین کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس زیادت میں بے شک غرابت ہے لیکن داؤدی عالم اور ثقہ ہیں۔"

سہیلی اور شوکانی نے ان احادیث کے متعلق صحت یا ثقاہت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ یہ ذخیرہ ضعف سے خالی نہیں۔ بخاریؒ اور منذریؒ ذہبیؒ وغیرہ ائمہ فن نے ان پر تنقید فرمائی ہے اور یہ حضرات سہیلی وغیرہ سے اپنے فن میں زیادہ مستند ہیں۔ اس لیے اگر منشی صاحب اپنی رائے پر اصرار فرمائیں تو انہیں اس کا حق ہے۔

مکرر گزارش ہے کہ ابنائے دیوبند اس موضوع پر تحقیقی طور پر لکھیں۔ محض اکابر اساتذہ کی تقلید پر کفایت نہ فرمائیں اور نہ ہی ہماری گزارشات کو کسی بے ادبی پر محمول فرما کر ناراض ہونے کی کوشش ہی کریں۔

•

((فان العلم امانة والجهل عن الحقائق خیانة والتمسك بالنصوص دیانة والاعراض عن التحریف والتاویل صیانة ومن حرم عن ذلك فقد حرم بعض الخیر والله ولی التوفیق علیه توکلت وهو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوة الا بالله علیه اعتمد والیه انیب۔)) [1]

---

[1] (الاعتصام ص ۲۷ جلد ۱۰ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۹ء)

مسئلۂ حیات النبی ﷺ پر ایک سوال اور ''مدیر تجلی'' دیوبند کا تحقیقی جواب

لاہور سے ''رحیق'' نامی ایک ماہنامہ نکلتا ہے یہ اہل حدیث حضرات کا آرگن ہے۔ اس کی چند اشاعتوں میں ''حیات النبی ﷺ'' کے مسئلہ پر ایک خاص غلو پسندانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے۔ خصوصاً آخری قسط (مئی ۱۹۵۸ء) علمائے دیوبند حتیٰ کہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ اللہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تک کی تقلیل وتخطیہ میں کسر اٹھا کے نہیں رکھی گئی ہے۔ کاش آپ اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیں اور جو قلم مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تائید میں دفتر کے دفتر گھسیٹ دیتا ہے اور وہ اپنے لائق صد احترام اکابر واسلاف کی حمایت میں بھی جولانی دکھائے اور تمام ائمہ سے بڑھ کر اپنے آپ کو صاحب علم اور عقیل وفہیم سمجھنے والے اہل حدیث کی جسارتوں کا جواب لائے۔ امید ہے کوشش کر کے ''رحیق'' حاصل کریں گے اور اپنے اکابر کی حمایت سے نہیں چوکیں گے۔ ویسے بھی ''حیات النبی ﷺ'' کے مسئلہ پر رحیق کے مضمون نگار کی رائے لطیف طریقے پر توہین رسول ﷺ پر منجر ہوتی ہے جس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔

جواب

''رحیق'' بہترین علمی مجلّہ ہے ❶

ماہنامہ ''رحیق'' لاہور ''تجلی'' کے تبادلہ میں دفتر ''تجلی'' میں آتا ہے اور ان پرچوں میں شامل ہے جنہیں ہم کم وبیش پورا دیکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہمیں کہنا چاہیے کہ ہم اسے ناقدانہ نہیں بلکہ طالب علمانہ اور شاگردانہ حیثیت سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس کے مضامین عموماً قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن سے ہماری حقیری متاع علم میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کے خط کو پڑھ کر نہایت رنج ہوا۔ اندازِ بیان سے لے کر نفس مطلب تک تمام خط تعصب' غلط فکری اور جاہلی تصورات سے آلودہ ہے۔ کاش آپ ''تجلی'' کے فائل اٹھا کر دیکھتے کہ ہم دینی معاملات میں کس نقطۂ نظر کے حامل ہیں اور ہمارے نزدیک دین میں گروہ بندیاں اور اجارہ واریاں کس قدر افسوس ناک امور ہیں۔ ہزار ہزار صدمہ اور ملال ہے کہ ہمارے موجودہ مدرسے عموماً وہی فاسد مجہول اور غالی ومتعصب ذہن تیار کر رہے ہیں جس کی خاصی جھلک آپ کے خط میں دیکھی جارہی

---

❶ یہ مجلہ محض تین سال کے بعد بند ہو گیا۔

ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلط قسم کی اکابر پرستی، مقامیت، وطنیت پر مبنی گروہ بندی، غلو فی العقیدت اور ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کے خبط سے محفوظ رکھے۔

ہم مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ سے متفق ہیں

جہاں تک نفس موضوع یعنی اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وصال و رحلت کے بعد کس طرح کی ''زندگی'' حاصل ہے اتفاق سے ہم پہلے ہی بعض علمائے دیوبند کے مسلک سے متفق نہیں ہیں، بلکہ ہمارا مسلک بعینہ وہی ہے جس کا اثبات ''رحیق'' کے فاضل مضمون نگار مولانا محمد اسماعیل صاحب خطیب گوجرانوالہ نے کیا ہے۔ ''تجلی'' میں کئی بار اس مسئلہ پر ہم اجمالاً کچھ نہ کچھ لکھ چکے ہیں۔ تمام حوالے تو مستحضر نہیں ہیں۔ صرف ایک حوالہ پیش نظر ہے۔ یہی ہمارے خیال و عقیدے کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ تجلی مئی ۱۹۵۶ء میں ''تجلی کی ڈاک'' کے تحت ''حیات النبی'' ہی کے زیر عنوان ہم نے ایک صفحے کا جواب دیا تھا مناسب ہو آپ اسے پڑھ لیں۔ اس کی آخری سطور یہ تھیں۔

> ''ہمارا کہنا یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مجمل رکھنا ہی پسند فرمایا ان کے بارے میں تفصیلات کی طلب اور چھان بین مناسب نہیں ہے۔ مجمل عقیدہ ہی کافی ہے۔ عقل وادراک کے پاس یہ صلاحیت کہاں ہے کہ وہ مرنے کے بعد کے احوال وواقعات کو مادی احوال وواقعات کی طرح سمجھ سکے۔ وصال کے بعد حضور ﷺ کے جسم و روح میں کیا اور کیسا تعلق ہے، آپ کن معنوں میں زندہ ہیں۔ آپ کے سامنے کیا چیزیں پیش ہوتی ہیں کیا نہیں۔ اس طرح کے سوالات میں پڑنے کے عوض احکامات دین کی تعمیل و نفاذ ہی مسلمانوں کے لیے بالکل کافی ہے۔ جن لوگوں پر عباوات ونکوکاری کے نتیجے میں اللہ کے بعض چھپے ہوئے اسرار کھول دیے گئے ہوں اور ''حیات النبی'' کے باب میں ان پر کچھ منکشف ہوا ہو، وہ ان کے اپنے لیے ہے عوام کے لیے نہیں ہے۔ عوام اسے نہیں سمجھ سکتے بلکہ مغالطوں اور وسوسوں میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کے ''وصال'' کو ''موت'' سے جدا کوئی چیز ثابت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی حیات مستقلہ کا کوئی متعین ومشخص اور معلوم ومشرح تصور عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ مفید

کام نہیں کرتے' بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن کے بار بار بیان کیے ہوئے تصور بشریت کو مافوق البشر تصورات واوہام سے آلودہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔'' [تجلی مئی ۱۹۵۶ء ص ۳۴]

مولانا قاسمؒ معصوم نہیں تھے

مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت کا جہاں تک سوال ہے تو سچ یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے وقت کا بہترین عالم' ذہین وفہیم مفکر اور صاحب زہد وورع دانش در سمجھتے تھے لیکن یہ عقیدت اس لغویت تک کبھی نہیں پہنچی کہ ہم ان کو معصوم مان کر ان کے ہر فکر ورائے کی اندھا دھند تائید کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ ان کی مختلف تحریروں میں اس طرح کی باتیں دیکھنے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی رحلت ''موت'' کے معلوم عام مفہوم ومصداق سے جداگانہ شے ہے اور اس کی مثال اس ہانڈی کی سی ہے جو کسی چراغ پر ڈھک دی جائے۔ ہم کسی طرح اپنے آپ کو اس باریک خیال کی تائید وتصدیق پر مائل نہ کر سکے بلکہ ہمارا عقیدہ وہی رہا کہ قرآنی تصریحات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی رحلت بھی من حیث البشر ویسی ہی رحلت ہے جیسی کسی دوسرے انسان کی ہوتی ہے اور ''موت'' کا لفظ اس پر ٹھیک اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کسی اور انسان کی رحلت پر۔ اس کے لیے قرآن' حدیث اور خلیفہ اول کی تقریر میں واضح شہادت موجود ہے۔ رہا بعد مرگ ان کا زندہ رہنا اور زمین پر ان کے جسم کی حرمت تو اگرچہ اس کا انکار ایک مسلمان کی حیثیت میں ممکن ہی نہیں ہے لیکن جو لوگ اس زندگی بعد مرگ کو ٹھیک دنیاوی زندگی جیسا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور مرگ رسول ﷺ کو ایک اٹل حقیقت ماننے سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا یہ ''موت'' محض ایک فریب نظر یا مذاق تھا۔ وہ اچھا نہیں کرتے اور ان کا ذہن وقلب اس غلط ترین خیال سے مسموم ہے کہ ''موت'' ایک اتنے عظیم پیغمبر کے لیے توہین وتحقیر کا باعث معلوم ہوتی ہے۔ خیر مولانا قاسم رحمہ اللہ کا انداز تحریر تو کچھ ادق اور غامض تھا کہ ہم کوتاہ فہموں کے لیے اس حسن ظن کی بھی گنجائش باقی رہ جاتی تھی کہ جو کچھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے شاید اس کا مطلب وہ نہ ہو جو ہم نے سمجھا ہے اور وہ حیات النبی کے باب میں فی الحقیقت وہی مسلک رکھتے ہوں جسے ہم درست سمجھ رہے ہیں۔

کل کا دیوبند اور آج کا دیوبند

پھر وہ زمانہ بھی اور تھا۔ شرک و بدعت کے خلاف خود مولانا قاسم رحمہ اللہ اور دیگر ہم عصر علمائے دیوبند آئے دن سرگرمیوں کا مظاہرہ فرماتے رہتے تھے اور ''حیات النبی'' کے متعلق ایک خاص مسلک رکھنے سے قبوری حضرات کو جو شہ ملنی ممکن تھی اس کا سدباب اور ازالہ ان کی دیگر واضح و مصرح اور موکد و مدلل تحریروں اور تقریروں سے پوری طرح ہو رہا تھا لیکن آج جو احوال ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ آج وہ زبانیں گنگ' وہ انگلیاں مفلوج اور وہ جذبات سرد ہو چکے ہیں جو مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرح اکرام مسلم کے ساتھ اہانت بدعتی اور تردید شرک و بدعت کو بھی منجملہ فرائض قرار دیتے تھے۔ وہ اخلاف حکمت و رواداری کی ''ملیّن پالیسی'' اختیار فرما چکے ہیں۔ جن کے اسلاف شرک و بدعت کے باب میں روا داری' تلیّن' درگزر اور صرفِ نظر کو بزدلی' بے حسی' بے عقلی اور دوغلا پن گمان فرماتے تھے۔ اسی لیے آج کہیں اور نہیں خود دیوبند میں...... اس دیوبند میں' جہاں طبلہ' ہارمونیم والی قوالی' صلوٰۃ علی القبر' جمعراتی جشن قبوری' چادر بازی اور دیگر قبوری بدعات کا سایہ تک نہیں ملتا تھا...... یہ سب کچھ موجود ہے۔ نہ صرف موجود بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے' کیسے نہ ہو۔ ہمارے واعظانِ شیریں بیان کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی ایسے مجمع میں وعظ فرماتے ہیں جہاں اکثریت مبتدعین و مجہولین کی ہو تو ذو معنی اور آرٹسٹک گل افشانیوں کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کرتے ہیں کہ توحید پرست بھی واہ واہ کر اٹھیں اور مقبروں کی خاک چاٹنے والوں کا دل بھی گز بھر کا ہو جائے۔ دیوبندی کہیں کہ کوئل ''حقا'' تو بولی۔ بدعتی کہیں کہ نہیں وہ تو ''عبدالقادر'' بولی۔

حد ہو گئی۔ اسی عید الفطر کے وعظ میں دیوبند کی عیدگاہ کے لاؤڈ سپیکر سے قبل نماز عید قبروں پر جانے کی مسنونیت نشر ہوئی اور ایک خاص حالت' خاص فضا اور خاص معاشرے سے متعلق حدیث کو ٹھیک اس واعظانہ بے قیدی و بے پناہی کے ساتھ استعمال کیا گیا جس کے نقصان و اضرار پر ...... ابن تیمیہ رحمہ اللہ' ابن قیم رحمہ اللہ اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے حضرات سر پیٹتے گئے ہیں اور جس کی سطحیت پر سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ جیسے اعاظم رجال پناہ مانگ چکے ہیں۔

قبوری ذہن کو ہتھیار

ہندو پاک میں قبر پرستی اور پرستشِ اولیاء جس قدر زوروں پر ہے آنکھ والوں سے مخفی نہیں ایسے حالات اور ماحول میں جو اہل علم ''حیات النبی'' کا مسئلہ لے کر بیٹھتے ہیں اور حیات پیغمبر کو

بالکل حیاتِ دنیاوی بنا کر اپنی فدائیتِ رسول اور حبِ پیغمبر اور تبحرِ علمی کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں۔ وہ صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں کرتے بلکہ اسے ایک نہایت افسوسناک نتائج پیدا کرنے والے کام میں صرف کرتے ہیں اور قبوری ذہن کو تصورِ توحید کے خلاف ہتھیار مہیا فرماتے ہیں۔ اسی لیے آج اس مسئلہ کی حیثیت محض علمی نہیں رہی کہ اس میں ہر نقطہ نظر کو باعتبار اجتہاد حق وثواب مان لیا جائے بلکہ اس کی نوعیت ایک مستقل فتنے کی ہوگئی ہے۔ جس سے دامن بچانا ہر دانش مند کا فرض ہے اسی وجہ سے "رحیق" کے فاضل مضمون نگار نے زحمت تنقید فرمائی ہے اور اس وجہ کا مختصراً اظہار بھی آخر میں کر دیا ہے۔

نفسِ مسئلہ سے ہٹ کر جہاں تک طرز تحریر اور معیار تنقید کا تعلق ہے تو اگر نفس مسئلہ پر ہم فاضل مضمون نگار سے متفق نہ ہوتے تب بھی برملا یہی کہتے کہ سنجیدہ ومتین اور ٹھوس علمی اختلاف کا جو بہتر سے بہتر معیار ہوسکتا ہے انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہجے سے لے کر الفاظ تک اور دلائل سے لے کر آداب تک انہوں نے پوری شائستگی، بردباری اور نجابت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ آپ یا کوئی اور ان کے دلائل سے متفق نہ ہو یا دلائل کو سمجھے بوجھے بغیر صرف عقیدتاً اسی خیال پر جما رہے جو اس کے محبوب بزرگوں کا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا اہل حدیث ہونا آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دے اور اپنے بزرگوں کے ایک مسلک کی علمی تنقید آپ کو جامے سے باہر کر دے۔

یہ کیسی "بلید" الذہنی ہے کہ ایک طرف تو آپ جماعتِ اسلامی کی تائید کا ذکر نہایت تحقیر سے کرتے ہیں دوسری طرف بعض اکابر اسلاف کے ساتھ "لائق صد احترام" کا دم چھلا لگا کر ہمیں ان کی حمایت پر اس لیے ابھارتے ہیں کہ وہ "ہمارے" ہیں۔ اس طرح کی لغویتیں قوم ووطن کے محور پر گھومنے والی سیاست میں تو چلتی ہیں، لیکن دینی وعلمی مسائل میں اپنا اور پرایا...... لائق صد احترام...... اور لائق صد اہانت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور دیوبندی بزرگ سے کہ ہمارے نسلی اور وطنی کچھ رشتے ہیں تو دینی وعلمی مسائل میں ان رشتوں کی دہائی دینا پرلے درجے کی تنگ نظری ہے اور مولانا مودودی سے ہمارا نسلی ووطنی کوئی بھی رشتہ اگر نہیں ہے تو اس عدم تعلق کو دینی وعلمی مسائل میں ملحوظ رکھنے کا سبق دینے والا ہمارے نزدیک انتہائی پستی فکر ونظر کا شکار ہے۔ پھر اسی سانس میں آپ اہل حدیث پر بھی علی الاطلاق ایک بھونڈا فقرہ کس جاتے ہیں۔ یہ کیا گراوٹ ہے؟ ہم بے شک حنفی ہیں اور یہاں تک غالی کہ اگر کسی فقہی مسلک کے بارے میں ہمیں تحقیق ہو جائے کہ واقعی وہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور بعد کے کسی حنفی نے اس میں اپنے

اجتہاد و قیاس کو داخل نہیں کیا ہے تو چاہے یہ ہمارے علم و عقل کے بظاہر خلاف ہی ہو مگر ہم اس سے اختلاف کی ہمت نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے پاس وہ کافی علم نہیں ہے جو اتنے بڑے عالم و دانا سے اختلاف کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔

اہل حدیث پر توہین رسول ﷺ کا الزام

''توہین رسول ﷺ'' کی ایک ہی رہی۔ اہل حدیث اور توہین رسول ﷺ؟ دن اور تاریکی؟ آسمان اور پستی؟ ہمیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ دیوبندی علمائے خلف کی اہل بدعت سے نیم برہنہ سانٹھ گانٹھ اور مفاہمت آخر کار دیوبندی مکتبۂ فکر میں بھی مبتدعانہ غلو فی العقائد اور متوہمانہ نکتہ سنجی کا زہر پھیلا کے رہے گی۔ وہی ہوا۔ اہل بدعت تو دیوبندیوں پر توہین رسول ﷺ اور تحقیر اولیا کے الزامات عائد کرتے تھے۔ اب دیوبندی مسلک کے لوگ اہل حدیث اور مولانا مودودی وغیرہ پر یہی ہوائی تیر چلا رہے ہیں۔ بندۂ رب! رحیق والے مضمون میں تو توہین رسول ﷺ کا شائبہ تک نہیں۔ جو خوردبین چیونٹی کو ہاتھی بنا کر دکھاتی ہو وہ بھی اس مضمون میں توہین رسول ﷺ کا حبہ نہیں دکھا سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح قبوری حضرات نے اہل قبور کے لیے رنگ برنگے عقائد گھڑ لیے ہیں۔ طرح طرح کی دور از کار اور بے اصل صفات اولیائے مرحومین کے لیے تصنیف فرمالی ہیں اور ان خود ساختہ عقائد و صفات کی تردید کو وہ توہین اولیائے قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے باب میں کچھ طبع زاد تصورات کو حقائق مان لیا ہو اور ان سے بدلائل اختلاف کرنے والوں کو مرتکب توہین قرار دینے لگیں۔

مولانا محمد اسماعیل کا درست تجزیہ

سچ لکھا ہے رحیق کے مضمون نگار جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ''بعض دیوبندی علما بھی بریلوی علم کلام کے $\frac{1}{4}$ حصے سے موقعہ بموقعہ کام لیتے رہتے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہاں تک شہادت دیں گے یہ علم کلام گاہے گاہے جامۂ عمل بھی پہن لیتا ہے۔ مثلاً یہاں ایسے بھی 'علمائے کرام'' موجود ہیں۔ جو ''شاہ ولایت'' صاحب کے مزار پر جاتے ہیں اور واپس آ کر دوست احباب سے یہاں تک فرماتے ہیں کہ آج مجھے شاہ ولایت صاحب نے ڈانٹا کہ اتنے دنوں سے کہاں تھا اور آج سینے سے لگا لیا اور آج فلاں مشورہ دیا۔ یہاں ایسے بھی ''عاشقان اولیا'' علما ہی کے دائرے میں موجود ہیں کہ اگر آپ ان سے کہیں گے کہ مولانا! یہ جو آپ نے درمیان کی دیوار

ڈھا کر دو کوٹھریوں کا ایک کمرہ بنا دیا تھا بہت ہی اچھا کیا تو وہ جواب دیں گے جی ہاں! حضرت مولانا...... رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے جو کام بھی کرتا ہوں ماشاء اللہ ان کی توجہ سے پسندیدہ و مرغوب ہوتا ہے۔ حالانکہ کسی اور وقت میں جب موڈ ذرا بدلا ہوا ہو آپ انہی کی زبانی یہ بھی سنیں گے کہ مولانا صاحب! بڑی ہی پریشانی ہے۔ تنخواہ میں گزارا نہیں ہوتا۔ فلاں کام یوں کیا تھا، یوں بگڑ گیا۔ فلاں ترکیب یوں سوجھی تھی اور اوندھی ہوگئی۔ اب اگر آپ یاد دلائیں کہ مولانا وہ برکت وتوجہ کہاں گئی جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا تو سوختہ و بریاں جواب ملے گا کہ قادیانی علم کلام بھی پانی بھرتا رہ جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بدعت کا کوئی وطن نہیں، نہ وہ کوئی لمٹیڈ یا رجسٹرڈ کاروبار ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک دیوبندی عالم جو کچھ کہے اور کرے اس کا بدعت ہونا ناممکن قرار دیا جائے اور اہلِ حدیث حضرات اگر علمائے دیوبند سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو لازماً علمائے دیوبند ہی حق پر ہوں۔ آخرت کا اگر خیال ہے تو گروہی اور وطنی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام اور بندگانِ اسلام کی صلاح وفلاح کے لیے وسعتِ نظر اور حلم و برداشت کی راہ پر آیئے ورنہ قبر اقبال سے وہی آواز آئے گی کہ: ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

[تجلی دیوبند ص ۲۴ تا ۴۶ بابت جولائی و اگست ۱۹۵۸ء]
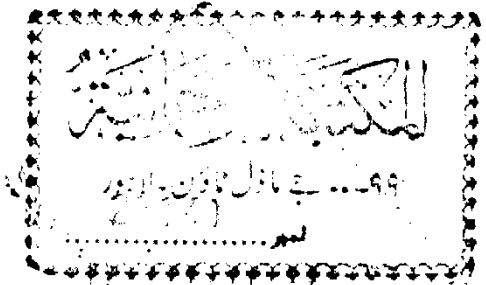
ہماری چند دینی مطبوعات
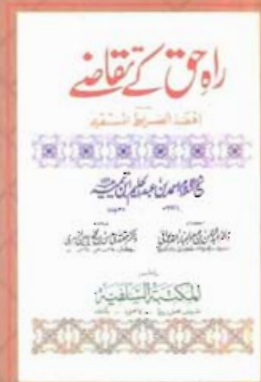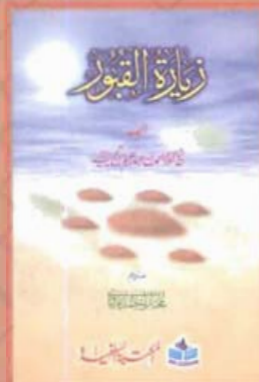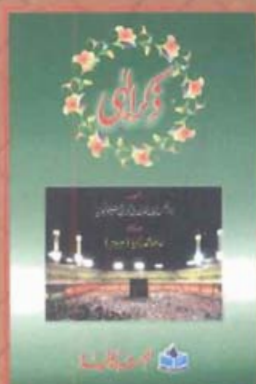
شیش محل روڈ — لاہور — پاکستان

Ph.: 042-7237184, 7230271 Fax: 042-7227981 P.O.BOX 1452
E-mail:alsalafiyyah@yahoo.com